بسم اللہ الرحمن الرحیم

السیرۃ النبویۃ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

(توقیتی مطالعہ: مکی دور)

گیارہویں قسط

پروفیسر ظفر احمد☆

نسب نبوی ﷺ پر بعض متعصب مستشرقین کے اعتراضات کا تعاقب

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامے کا دوسرا حصہ جو عدنان بن ادد سے حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام تک ہے، نسابین کے نزدیک اختلافی ہونے کی بنا پر ظنی ہے۔ اس سے بعض شرق شناسوں مثلاً ولیم میور (William Muir) نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماعیلؑ کے خاندان سے نہ تھے۔ مارگولیس (Margoliouth) نے بھی بزعم خویش یہی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور کچھ اس طرح کے مہمل دلائل پیش کئے ہیں

۱۔ قرآن مجید میں ہے کہ قریش مکہ کو حیرت تھی کہ ان میں ایسا پیغمبر کیوں نہ بھیجا گیا جو شریف خاندان سے ہوتا۔

۲۔ پیغمبر کے عروج کے زمانے میں قریش نے آنحضرت ﷺ کو اس درخت سے تشبیہ دی جو گھوڑے پر جمتا ہے۔

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ایک شخص نے مولیٰ کے لفظ سے مخاطب کیا تو آپ نے اس لقب سے انکار کیا۔

۴۔ فتح مکہ کے دن آپ نے فرمایا کہ آج شرفائے مکہ کا خاتمہ ہوگیا۔ مارگولیس نے اس طرح کے لغو دلائل نولدیکی (Noldeke) سے نقل کئے ہیں جو مشہور جرمن مستشرق ہے۔ (۱)

☆ سابق صدر شعبہ اسلامیات گورنمنٹ ایس ای کالج بہاولپور۔

متعصب شرق شناسوں کا اس طرز عمل سے وہ اپنے حلقوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جھوٹے تاثرات پھیلاتے رہے ہیں۔ مذکورہ طرز کے اعتراضات کے پس پردہ محرکات وعوامل کو الم نشرح کرنے کے لئے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اناجیل میں مذکور حضرت عیسیٰ کے نسب ناموں اور بعض دیگر متعلقات کو زیر بحث لائیں۔ ہم اہل اسلام حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو اللہ کا پیغمبر سمجھتے ہیں۔ ان کی ادنیٰ توہین بھی کفر ہے، لیکن محرف بائبل میں موجود انجیلی نسب ناموں اور بائبل کے دیگر متعلقہ مضامین نے ان دونوں پیغمبروں کو جس مقام پر لا کھڑا کیا ہے، اسی پر بعض متعصب مستشرقین بزعم خویش رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لانے کی ناکام کوششوں میں اپنا قیمتی وقت ضائع کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ کے نسب نامے کو یہاں چار حصوں میں پیش کیا جا رہا ہے۔ پہلا حصہ حضرت عیسیٰ کی والدہ ماجدہ حضرت مریم کے مبینہ شوہر یوسف نجار سے زرّبابل تک ہے جو بائبل کے نئے عہد نامے کی اناجیل متی اور لوقا میں الگ الگ مذکور ہے۔ نسب نامے کا دوسرا حصہ سیالتی ایل سے حضرت داؤد علیہ السلام تک ہے۔ چونکہ سیالتی ایل کے بعد کا نسب نامہ بائبل کے پرانے عہد نامے میں بھی موجود ہے، لہٰذا نسب نامے کے بعد کے تینوں حصوں میں بغرض تقابل پرانے عہد نامے میں مذکور متعلقہ اسما کا ایک اور خانہ بڑھایا گیا ہے۔ انجیل متی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نسب نامہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تک ہے جو ترتیب نزولی میں یعنی آبا سے انبا کی طرف ہے، جبکہ انجیل لوقا میں یہ نسب نامہ ترتیب صعودی میں یعنی انبا سے آبا کی طرف حضرت آدم علیہ السلام تک دیا گیا ہے۔ ہم بھی اسی ترتیب میں نسب نامے کے چاروں حصے انبا سے آبا کی طرف پیش کر رہے ہیں۔

یسوع مسیح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کے نسب نامے کا پہلا حصہ از یوسف (مبینہ شوہرِ مریم) تا زرّبابل (۲)

نمبر شمار	اسما انجیل متی	نمبر شمار	اسما انجیل موقا	نمبر شمار	اسما انجیل متی	نمبر شمار	اسما انجیل موقا
۱	یوسف	۱	یوسف	×	×	۱۲	نوگہ
۲	یعقوب	۲	عیلی	×	×	۱۳	ماعت
۳	متان	۳	متات	×	×	۱۴	متقیاہ
۴	الیفر ر	۴	لاوی	×	×	۱۵	شمعی
۵	اِلیہود	۵	ملکی	×	×	۱۶	یوسخ

۶	اخیم	۶	ینا	×	×	۱۷	یوداہ
۷	صدوق	۷	یوسف	×	×	۱۸	یوحناہ
۸	عاذور	۸	اتسقیاہ	×	×	۱۹	ریسا
۹	الیاقیم	۹	عاموس	۱۱	زرّبابل	۲۰	زرّبابل
۱۰	ابیہود	۱۰	ناحوم	×	×	×	×
×	×	۱۱	اسلیاہ				

دوسرا حصہ از سیالتی ایل تا حضرت داؤد علیہ السلام (۳)

نمبر شمار	اسما انجیل متی	نمبر شمار	اسما انجیل موقا	نمبر شمار	اسما بائبل (پرانا عہد نامہ)
۱	سیالتی ایل	۱	سیالتی ایل	۱	سیالتی ایل بن فدایاہ
۲	یکونیاہ	۲	نیری	۲	یکونیاہ
×	×	۳	ملکی	۳	یہویقیم
۳	یوسیاہ	۴	ادی	۴	یوسیاہ
۴	امون	۵	قوسام	۵	امون
۵	منسی	۶	المودام	۶	منسّی
۶	حزقیاہ	۷	عیر	۷	حزقیاہ
۷	آخز	۸	یشوع	۸	آخز
۸	یوتام	۹	الیعزر	۹	یوتام
۹	عزیاہ	۱۰	یوریم	۱۰	عزریاہ
×	×	۱۱	متات	۱۱	امصیاہ
×	×	۱۲	لاوی	۱۲	یوآس
×	×	۱۳	شمعون	۱۳	اخزیاہ
۱۰	یورام	۱۴	یہوداہ	۱۴	یورام
۱۱	یہوسفط	۱۵	یوسف	۱۵	یہوسفط

۱۲	آسا	۱۶	یونان	آسا
۱۳	ابیاہ	۱۷	الیاقیم	ابیاہ
۱۴	رحُبعام	۱۸	ملے آہ	رحُبعام
×	×	۱۹	منآہ	×
×	×	۲۰	متنا	×
۱۵	سلیمانؑ	۲۱	ناتن	سلیمانؑ
۱۶	داؤدؑ	۲۲	داؤدؑ	داؤدؑ

تیسرا حصہ از یسّی تا حضرت ابراہیم علیہ السلام (۴)

نمبر شمار	اسما انجیل متی	نمبر شمار	اسما انجیل موقا	نمبر شمار	اسما بائبل (پرانا عہد نامہ)
۱	یسّی	۱	یسّی	۱	یسّی
۲	عوبید	۲	عوبید	۲	عوبید
۳	بوعز	۳	بوعز	۳	بوعز
۴	سلمون	۴	سلمون	۴	سلما
۵	نحسون	۵	نحسون	۵	نحسون
۶	عمنیلاب	۶	عمنیلاب	۶	عمنیلاب
۷	رام	۷	ارنی	۷	رام
۸	حصرون	۸	حصرون	۸	حصرون
۹	فارص	۹	فارص	۹	فارص
۱۰	یہوداہ	۱۰	یہوداہ	۱۰	یہوداہ
۱۱	یعقوبؑ	۱۱	یعقوبؑ	۱۱	یعقوبؑ
۱۲	اضحاق	۱۲	اضحاق	۱۲	اضحاق
۱۳	ابرہام	۱۳	ابرہام	۱۳	ابرہام

چوتھا حصہ از تارح تا حضرت آدم علیہ السلام (۵)

نمبر شمار	اسما انجیل موقا	نمبر شمار	اسما بائبل (پرانا عہد نامہ)	نمبر شمار	اسما انجیل موقا	نمبر شمار	اسما بائبل (پرانا عہد نامہ)
۱	تارح	۱	تارح	۱۱	نوح	۱۰	نوح
۲	نحور	۲	نحور	۱۲	لمک	۱۱	لمک
۳	سروج	۳	سروج	۱۳	متوسلح	۱۲	متوسلح
۴	رعو	۴	رعو	۱۴	حنوک	۱۳	حنوک
۵	فلج	۵	فلج	۱۵	یارد	۱۴	یارد
۶	عبر	۶	عبر	۱۶	مہلل ایل	۱۵	مہلل ایل
۷	سلح	۷	سلح	۱۷	قینان	۱۶	قینان
۸	قینان	×	×	۱۸	انوس	۱۷	انوس
۹	ارفکسد	۸	ارفکسد	۱۹	سیتؑ	۱۸	سیتؑ
۱۰	سم	۹	سم	۲۰	آدمؑ	۱۹	آدمؑ

حضرت عیسیٰؑ (یسوع مسیح) کے مذکورہ نسب ناموں میں پائی جانے والی بعض اہم خرابیوں کو زیر بحث لانے سے پہلے ہم یہ واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح حضرت عیسیٰؑ کا نسب بھی پاکیزہ ہے۔ خرابی ان کے نسب میں ہرگز نہیں بلکہ بائبل کے ان جھوٹے مضامین میں ہے جنہوں نے ان نسب ناموں کو موردِ طعن بنا کر رکھ دیا ہے۔ بائبل کے ان مضامین کی خرابی سے حضرت عیسیٰؑ کے نسب کی پاکیزگی ہرگز متاثر نہیں ہوتی۔

۱۔ سب سے پہلی، سب سے بڑی اور سنگین خرابی یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بالاتفاق بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ اسی لئے قرآن کریم میں انہیں ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریمؑ کی طرف منسوب کر کے عیسیٰؑ بن مریمؑ کہا گیا ہے (۶) انجیل متی اور انجیل لوقا سے بھی یہی ثابت ہے (۷) لیکن سخت تعجب ہے کہ متی اور لوقا دونوں نے نسب نامہ حضرت مریمؑ کے منکوحہ شوہر یوسف نجار کا بیان کیا ہے، حالانکہ حضرت مریمؑ کا بیان کرنا چاہئے تھا۔ جب ان نسب ناموں کی بنیاد ہی غلط ہے تو پورا نسب نامہ جس مقصد کے لئے پیش کیا جا رہا ہے، اس کے لئے یہ قطعاً کارآمد نہیں ہے۔ یاد رہے کہ عیسائی حضرات حضرت عیسیٰؑ کو حضرت داؤدؑ کی نسل سے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

۲۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ انجیل لوقا کی متعلقہ عبارت یوں ہے ''جب یسوع خود تعلیم دینے لگا قریباً تیس برس کا تھا اور (جیسا کہ کہا جاتا تھا) یوسف کا بیٹا تھا'' (۸)۔ یہاں بین القوسین لکھا گیا ہے (جیسا کہ کہا جاتا تھا) اگر حضرت یسوع مسیح (عیسیٰ علیہ السلام) کو یوسف کا بیٹا قرار دینے والے (معاذ اللہ) سچے تھے تو اناجیل کا یہ مضمون غلط قرار پائے گا کہ یسوع مسیح بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ اگر ان لوگوں کو جھوٹا سمجھا جائے تو متی اور لوقا کو نسب نامہ یوسف کی بجائے حضرت عیسیٰؑ کی والدہ ماجدہ حضرت مریم کا بیان کرنا چاہئے تھا۔ لیکن متی اور لوقا دونوں نے اپنے طرز عمل سے ان جھوٹے لوگوں کی ہی بزبان قال نہیں تو بزبانِ حال پوری پوری ہم نوائی کی۔ غور کیجئے ان کی جمع کردہ اناجیل کے باقی مضامین کا بھی کیا اعتبار رہا؟

۳۔ تیسری خرابی یہ ہے کہ متی اور لوقا کے بیان کردہ ان نسب ناموں میں یوسف سے زرّبابل تک ناموں میں شدید اختلاف ہے۔ صرف یوسف اور زرّبابل کے نام مشترک ہیں۔ دیگر اسما کی باہم ذرہ بھر بھی مشابہت نہیں ہے۔ یہاں یہ تاویل قابلِ قبول نہیں ہے کہ شاید لوقا نے مریم کا اور متی نے یوسف کا نسب نامہ بیان کیا ہو۔ جب لوقا اور متی دونوں حضرت مریم کے مبیّنہ شوہر یوسف کا نام لے کر نسب بیان کر رہے ہیں تو کسی اور کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ ''شاید'' کا سہارا لے کر ان نسب ناموں میں کسی کو یوسف کا اور کسی کو مریم کا نسب نامہ قرار دے؟ نیز یہ تاویل اس لئے بھی غلط ہے کہ دونوں نسب ناموں میں سیالتی ایل اور زرّبابل کے نام مشترک ہیں، لیکن سیالتی ایل سے حضرت داؤدؑ تک کے نسب ناموں میں ان ناموں کے سوا دیگر اسما پھر ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہیں۔ مزید برآں یہ تاویل اس لئے بھی غلط ہے کہ لوقا نے زرّبابل تک بیس اسما اور متی نے صرف گیارہ اسما لکھے ہیں۔ اگر یہ نسب نامے حضرت مریم اور ان کے مبیّنہ شوہر یوسف کے الگ الگ بھی تصور کر لئے جائیں تو جب حضرت مریم اور یوسف دونوں ہم عصر ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ زرّبابل تک دونوں کے آباؤ اجداد میں نو پشتوں کا فرق پڑ گیا ہو؟۔

۴۔ چوتھی خرابی یہ ہے کہ متی نے نسب نامے میں سیالتی ایل کو یکونیاہ کا جبکہ لوقا نے اسے نیری کا بیٹا قرار دیا ہے۔

۵۔ پانچویں خرابی یہ ہے کہ لوقا کا نسب نامہ ریسا ین زرّبابل پر اور متی کا ابیھود بن زرّبابل پر ختم ہوتا ہے، اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ریسا اور ابیھود دونوں بھائی ہیں جو زرّبابل کے بیٹے ہیں، لیکن تواریخ اول میں زرّبابل کی اولاد کے نام یوں ہیں ''اور زرّبابل کے بیٹے یہ ہیں مُسلّام اور حنانیاہ اور سلومیت ان کی بہن تھی اور حسوبہ اور ایہل اور برکیاہ اور حسدیاہ، یوسجد یہ پانچ'' (۹) دیکھئے ان ناموں میں کہیں بھی ریسا اور ابیھود کا نام شامل نہیں ہے۔

۶۔ چھٹی خرابی یہ ہے کہ متی اور لوقا دونوں نے زرّبابل کو سیالتی ایل کا بیٹا ظاہر کیا ہے مگر تواریخ اول سے ثابت ہوتا ہے کہ زرّبابل فدایاہ کا بیٹا ہے اور سیالتی ایل تو فدایاہ کا بھائی یہ ہے (۱/۱۰) لہٰذا زرّبابل سیالتی ایل کا بھتیجا ہے نہ کہ بیٹا۔

۷۔ ساتویں خرابی یہ ہے کہ سیالتی ایل سے حضرت داؤدؑ تک متی نے سولہ، لوقا نے بائیس اور بائبل نے بیس نسلیں شمار کی ہیں۔

۸۔ آٹھویں خرابی یہ ہے کہ سیالتی ایل کا نسب لوقا تو ناتن بن داؤدؑ سے ملاتا ہے جبکہ متی اور بائبل اسے حضرت سلیمانؑ کی نسل سے ظاہر کر رہے ہیں۔ یہ سراسر خلاف عقل اور بے ہودہ بات ہے کہ سیالتی ایل، حضرت داؤدؑ کے دونوں بیٹوں کی نسل سے ہو۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ایک ہی شخص کے دو نام ہیں، کیونکہ تواریخ اول سے حضرت داؤدؑ کے ان دونوں بیٹوں کا الگ الگ بھائی ہونا ثابت ہے (۱۰/۲)۔

۹۔ نویں خرابی یہ ہے کہ متی نے نسب نامے میں سیالتی ایل کو یکونیاہ کا جبکہ لوقا نے اسے نیری کا بیٹا ظاہر کیا ہے۔

۱۰۔ دسویں خرابی یہ ہے کہ متی نے یکونیاہ کو یوسیاہ کا بیٹا ظاہر کیا ہے لیکن تواریخ اول سے ثابت ہو رہا ہے کہ یکونیاہ تو دراصل یوسیاہ کا پوتا ہے اور یکونیاہ کے باپ کا نام یہویقیم ہے اور یہویقیم کے باپ کا نام یوسیاہ ہے۔ (۱۱)

۱۱۔ گیارہویں خرابی یہ ہے کہ یہودی سلطنت یہوداہ کے بادشاہ یہویقیم مذکورہ بالا کے متعلق یرمیاہؑ نبی پر یہ وحی نازل ہوئی تھی ''اس لئے شاہ یہوداہ یہویقیم کی بابت خداوند یوں فرماتا ہے کہ اس کی نسل میں سے کوئی نہ رہے گا جو داؤدؑ کے تخت پر بیٹھے اور اس کی لاش پھینکی جائے گی تاکہ دن کو گرمی میں اور رات کو پالے میں پڑی رہے'' (۱۲) جب حضرت یسوعؑ کو اسی کی نسل سے ظاہر کیا جا رہا ہے تو بائبل کی رو سے وہ ہرگز تختِ داؤدی کے وارث نہیں ہو سکتے اور جب تختِ داؤدی کے وارث نہ ہوئے تو جس مقصد کے لئے یہ نسب نامہ تیار کیا گیا تھا وہ ہرگز پورا نہ ہوا۔ یہاں یہ یاد رہے کہ یرمیاہ کی وحی کے الفاظ یوں نہیں کہ یہویقیم کے بیٹوں اور پوتوں میں سے کوئی تختِ داؤدی پر نہیں بیٹھے گا بلکہ یہویقیم کی پوری نسل کو تختِ داؤدی سے محروم کیا جا رہا ہے اور بائبل سے ثابت ہو رہا ہے کہ یسوع مسیح اسی یہویقیم کی نسل سے ہیں۔ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ اناجیل کی رو سے حضرت عیسیٰؑ کے لئے تختِ داؤدی پر بیٹھنا لازم ہے، چنانچہ انجیل لوقا میں حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ہے ''اور خداوند خدا اس کے باپ داؤد کا تخت اسے دے گا'' (۱۳) اس سنگین خرابی نے تو حضرت عیسیٰؑ کو (معاذ اللہ) مسیحیت سے ہی خارج کر دیا جب یہویقیم کی نسل سے ہونے کی وجہ سے آپ

تختِ داؤدی کے وارث ہی نہیں بن سکتے تو مسیح کیسے ہوئے؟ حضرت عیسیٰؑ کے معجزات سے بھی عیسائی حضرات حضرت مسیح کا مسیح ہونا ثابت نہیں کر سکتے۔ اناجیل کی رو سے جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی بھی بڑی بڑی نشانیاں دکھا سکتے ہیں چنانچہ انجیل متی میں ہے ''کیونکہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اٹھ کھڑے ہوں گے اور ایسے بڑے نشان اور عجیب کام کر دکھائیں گے کہ اگر ممکن ہو تو برگزیدوں کو بھی گمراہ کر لیں'' (۱۴) اناجیل کے دیگر مضامین بھی حضرت عیسیٰؑ کو (معاذ اللہ) مسیحیت سے خارج کر رہے ہیں۔ جیسا کہ نکتہ نمبر ۳۶ میں واضح ہوگا۔

۱۲۔ بارہویں تشویش ناک خرابی یہ ہے کہ متی نے یا بعد کے بددیانت لوگوں نے انجیل متی کے نسب نامے میں یکونیاہ کے باپ یہویقیم کو چھوڑ کر یکونیاہ کے دادا یوسیاہ کا نام لکھ دیا ہے۔ یہ تحریف یقیناً بددیانتی پر مبنی ہے، کیونکہ یہویقیم کا نام لکھنے سے یسوع مسیح بائبل کی کتب تواریخ اول اور یرمیاہ کے مضامین کے حوالے سے تختِ داؤدی سے محروم ٹھہرتے ہیں، اور نسب نامہ لکھنے کا تکلف محض بے کار اور بے مقصد ٹھہرتا ہے۔ جب یہ بددیانتی ثابت ہوگئی تو اعتبار کس بات کا رہا؟۔

۱۳۔ تیرہویں خرابی یہ ہے کہ انجیل متی کے متعلقہ حصے میں ہے ''اور گرفتار ہو کر بابل جانے کے زمانے میں یوسیاہ سے یکونیاہ اور اس کے بھائی پیدا ہوئے'' (۱۵) یہ تو اوپر نکتہ نمبر ۱۰ میں بیان کیا جا چکا ہے کہ یکونیاہ کا باپ یوسیاہ نہیں بلکہ یہویقیم ہے جو یوسیاہ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے نسب نامے کا لازمی جز ہے۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ تواریخ اول کی رو سے یکونیاہ کا ایک ہی بھائی صدقیاہ تھا، البتہ اس کے باپ یوسیاہ کے تین بھائی تھے لہٰذا متی کا یہ کہنا بالکل غلط ہوا کہ یکونیاہ کے کئی بھائی تھے۔ تواریخ اول کی متعلقہ عبارت یوں ہے ''اور بنی یہویقیم، اس کا بیٹا یکونیاہ اس کا بیٹا صدقیاہ'' (۱۶)۔

۱۴۔ چودھویں خرابی یہ ہے کہ انجیل متی کے متعلقہ حصے میں ہے ''اور یورام سے عزیاہ پیدا ہوا'' (۱۷) حالانکہ بائبل کے عہد نامہ قدیم کی رو سے صحیح نسب یوں بنتا ہے۔ ''عزیاہ بن امصیاہ بن یوآس بن اخزیاہ بن یورام'' یعنی یورام دراصل عزیاہ کا سگڑ دادا (پڑدادا کا باپ) ہے نہ کہ وہ عزیاہ کا باپ ہے۔ یہاں متی کے نسب نامے میں تین نام امصیاہ، یوآس اور اخزیاہ حذف کر دیئے گئے ہیں، حالانکہ ان تینوں مشہور بادشاہوں کے نام بائبل کے پرانے عہد نامے کی کتب میں موجود ہیں (۱۸)

۱۵۔ پندرہویں خرابی یہ ہے کہ قرائن سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ مذکورہ بالا امصیاہ، یوآس اور اخزیاہ کے نام عمداً چھوڑے گئے ہیں، تاکہ اسے خطا و نسیان پر محمول کرتے ہوئے یہ سمجھ لیا جائے کہ یکونیاہ کے باپ یہویقیم کا نام بھی سہواً نہیں دیا جا سکا، حالانکہ جیسا کہ اوپر نکتہ نمبر ۱۲ میں بتایا جا چکا ہے یہویقیم کا نام

عمداً ایک خاص مقصد کے لئے حذف کیا گیا ہے۔ یہاں یہ عذر لغو ہے کہ نسب نامے میں یہ تینوں نام اس لئے حذف کئے گئے ہیں کہ ان ناموں کے بادشاہوں کے کام اچھے نہیں تھے۔ کام تو مثلاً آخز، امون، منسّی اور رحبعام کے بھی اچھے نہیں (۱۹) حالانکہ ان کے نام نسب نامے میں موجود ہیں۔ کام تو بائبل کے مضامین کی رو سے (معاذ اللہ) حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے بھی اچھے نہیں، جیسا کہ آئندہ سطور میں حسب موقع اس پر بحث ہوگی لہٰذا ان حضرات کے نام بھی تو نسب نامے میں مذکورہ منطق کی رو سے نہیں ہونے چاہئیں۔

۱۶۔ سولہویں خرابی یہ ہے کہ نسب نامے کے دوسرے حصے میں موجود یوتام کے باپ کا نام انجیل متی میں عزّیاہ لکھا ہے (۲۰) اور اس کی تائید پرانے عہد نامے کی کتاب تواریخ ثانی سے بھی ہوتی ہے (۲۱) لیکن تواریخ اول اور سلاطین دوم میں نام عزّیاہ کی بجائے عزریاہ دیا گیا ہے (۲۲)۔

۱۷۔ سترہویں خرابی یہ ہے کہ نسب نامے کے تیسرے حصے میں موجود عمّنیداب کے باپ کا نام انجیل لوقا کے مطابق ارنی ہے جبکہ انجیل متی اور تواریخ اول میں رام لکھا ہے (۲۳)۔

۱۸۔ اٹھارہویں خرابی یہ ہے کہ انگریزی متن کی گڈ نیوز بائبل کی انجیل لوقا میں ارنی مذکورہ بالا کو عمّنیداب کا نہیں بلکہ ادمین (Admin) کا باپ ظاہر کیا گیا ہے، یعنی عمّنیداب، ارنی کا بیٹا نہیں بلکہ پوتا ہے لیکن اردو متن میں ارنی کو عمّنیداب کا باپ ظاہر کیا گیا ہے۔ (۲۴) اور خود گڈ نیوز بائبل کے انگریزی متن کے پرانے عہد نامے کی کتاب تاریخ اول میں بھی ارنی کی بجائے نام رام (Ram) لکھا ہے اور رام کو عمّنیداب کا ہی باپ ظاہر کیا گیا ہے (۲۵)۔

۱۹۔ انیسویں خرابی یہ ہے کہ نسب نامے کے تیسرے حصے میں موجود بوعز کے باپ کا نام تواریخ اول میں سلما لکھا ہے جبکہ متی اور لوقا کی اناجیل میں نام سلمون لکھا گیا ہے اور گڈ نیوز بائبل کی تواریخ اول میں بھی نام سلمون (Salmon) ہی ہے (۲۶) غیر الہامی نسب ناموں میں اس طرح کی اغلاط سہو ونسیان پر مبنی ہوسکتی ہیں اور ناموں میں معمولی تفاوت گوارا کیا جاسکتا ہے، لیکن جن نسب ناموں کو الہامی قرار دیا جائے ان میں کسی بھی طرح کی غلطی قابل قبول نہیں ہوسکتی۔

۲۰۔ بیسویں خرابی یہ ہے کہ نسب نامے کے چوتھے حصے میں موجود سلح کا باپ انجیل لوقا کے مطابق قینان اور دادا ارفکسد ظاہر کیا گیا ہے لیکن پرانے عہد نامے کی کتب پیدائش اور تواریخ اول میں سلح کا باپ ارفکسد بتایا گیا ہے۔ درمیان میں قینان کا نام موجود نہیں۔

۲۱۔ اکیسویں خرابی یہ ہے کہ مذکورہ نسب نامے کے دوسرے حصے کے، انجیل لوقا میں بائیس، انجیل متی میں سولہ اور پرانے عہد نامے کی کتاب تواریخ اول میں بیس نام دیئے گئے ہیں۔

۲۲۔ بائیسویں خرابی یہ ہے کہ مذکورہ نسب نامے کے تیسرے حصے میں گڈ نیوز بائبل کی انجیل لوقا میں تیرہ کی بجائے چودہ اسما دیئے گئے ہیں، کیونکہ اس میں عمنیداب اور ارنی کے درمیان ادمین (Admin) کا نام بھی ہے جبکہ اردو متن کی انجیل لوقا میں اور انجیل متی میں نیز پرانے عہد نامے کی کتاب تواریخ اول میں تیرہ نام دیئے گئے ہیں۔

۲۳۔ تیئسویں خرابی یہ ہے کہ مذکورہ نسب نامے کے چوتھے حصے میں انجیل لوقا میں بیس جبکہ پرانے عہد نامے کی کتب پیدائش اور تواریخ اول میں انیس نام دیئے گئے ہیں۔

۲۴۔ چوبیسویں خرابی یہ ہے کہ متی کے بیان کردہ نسب نامے میں حضرت عیسیٰؑ (یسوع) سے داؤدؑ تک پشتوں کی تعداد ۲۶، اور لوقا کے بیان کے مطابق ۴۱ بنتی ہے۔ گڈ نیوز بائبل کے آخر میں ملحق توقیتی چارٹ میں حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ ۱۰۰۰ قبل مسیح ہے (۲۷) یوں متی کے مطابق ہر پشت کی اوسط عمر تقریباً چالیس سال اور لوقا کے مطابق ۲۵ سال بنتی ہے، حالانکہ یہ سراسر خلاف عقل ہے۔

۲۵۔ پچیسویں خرابی یہ ہے کہ مذکورہ نسب نامے کے تیسرے حصے میں یہوداہ کا نام بھی شامل ہے جس کے متعلق کتاب پیدائش میں ہے کہ اس نے اپنی بہو تمر سے (معاذ اللہ) زنا کیا تھا جس سے تمر کے بطن سے دولڑکے فارص اور زارح پیدا ہوئے تھے یعنی بائبل کے بیان کے مطابق یہ صاحب زانی ہیں (۲۸) ہم اسے بہتان قرار دیتے ہیں لیکن اہل کتاب اپنی کتب کے ان شرم ناک مضامین کو الہامی قرار دیتے ہیں۔

۲۶۔ چھبیسویں اور نہایت ہی سنگین خرابی یہ ہے کہ متی اور بائبل دونوں کے نسب ناموں میں مذکورہ فارص بھی شامل ہے جو مذکورہ بالا یہوداہ کا کتاب پیدائش کی رو سے ناجائز بیٹا ہے، کیونکہ وہ یہوداہ کے اپنی بہو تمر سے (معاذ اللہ) زنا کی پیداوار ہے۔ ادھر کتاب استثناء میں ہے ''کوئی حرام زادہ خداوند کی جماعت میں داخل نہ ہو دسویں پشت تک اس کی نسل میں سے کوئی خداوند کی جماعت میں نہ آنے پائے'' (۲۹) ملاحظہ کیجیے حضرت داؤدؑ اس فارص کی نسل میں نویں پشت پر ہیں، کیونکہ ان کا سلسلہ نسب فارص تک یوں ہے داؤد بن یسّی بن عوبید بن بوعز بن سلمون بن نحسون بن عمیناداب بن رام بن حصرون بن فارص۔ پس بائبل کی کتاب استثناء کی رو سے حضرت داؤدؑ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) خداوند کی جماعت ہی سے نکل گئے۔ ان کی حکومت و بادشاہت محض دنیاداروں کی بادشاہت کی طرح ہوئی۔ سارا نسب نامہ جس مقصد کے لیے تیار کیا جارہا تھا اس کے حصول میں بری طرح ناکامی ہو رہی ہے۔

۲۷۔ ستائیسویں خرابی یہ ہے کہ متی کے اس نسب نامے میں حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کا

نام بھی شامل ہے اگر یہ نسب نامہ صحیح ہے تو حضرت سلیمانؑ مذکورہ بالا فارص کی نسل میں دسویں پشت پر ہوئے اور کتاب استثناء کی مذکورہ بالا عبارت کے تحت حضرت داؤد کی طرح ان کے صاحبزادے حضرت سلیمانؑ بھی (معاذ اللہ) خداوند کی جماعت سے باہر ہوگئے۔ اگر متی کی بجائے لوقا کا نسب نامہ صحیح قرار دیا جائے تو اس میں کہیں بھی حضرت سلیمانؑ کا نام نہیں ہے حالانکہ یسوع مسیح کو حضرت سلیمانؑ بن داؤدؑ کی نسل سے ہونا چاہئے نہ کہ ناتن بن داؤد کی نسل سے جیسے لوقا بیان کر رہا ہے۔ لوقا کے نسب نامے میں حضرت داؤدؑ کا اسم گرامی تو ہے لیکن ہم اسے اوپر نکتہ نمبر ۲۶ میں زیر بحث لا چکے ہیں۔

۲۸۔ اٹھائیسویں خرابی یہ ہے کہ متی نے نسب نامہ بیان کرنے کے بعد لکھا ہے ''پس سب پشتیں ابرھام سے داؤد تک چودہ پشتیں ہوئیں اور داؤد سے لے کر گرفتار ہو کر بابل جانے تک چودہ پشتیں اور گرفتار ہو کر بابل جانے سے لے کر مسیح تک چودہ پشتیں ہوئیں (۳۰) اگر متی کے مذکورہ بیان کو درست سمجھا جائے تو لازم آئے گا کہ نسب نامے میں داؤد علیہ السلام کو اور گرفتار ہو کر بابل جانے کی چودہ پشتوں والے ناموں میں ایک نام کو دو مرتبہ شمار کیا جائے یوں کل پشتیں (۱۴×۳)=۴۲ ہوئیں حالانکہ یہ پشتیں دراصل چالیس ہیں نہ کہ بیالیس، کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام تک متی نے کل ۲۶ پشتیں شمار کی ہیں اور اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ تک چودہ پشتیں گنائی ہیں، لہٰذا کل چالیس پشتیں ہوئیں۔

۲۹۔ انتیسویں خرابی یہ ہے کہ مذکورہ نسب نامے کے دوسرے حصے میں بوعز کا نام بھی شامل ہے۔ پرانے عہد نامے کی کتاب روت سے ثابت ہے کہ بوعز نے ایک موآبی خاتون رُوت سے شادی کی تھی اور اسی موآبی خاتون روت کے بطن سے بوعز کا بیٹا عوبید پیدا ہوا (۳۱) جو اسی نسب نامے میں موجود ہے۔ کتاب پیدائش کے مطابق حضرت لوط علیہ السلام کو ان کی بیٹیوں نے مسلسل دو رات شراب پلائی تھی اور (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) اسی نشے کے زیر اثر انہوں نے پہلی رات اپنی بڑی پہلوٹھی بیٹی سے برا کام کیا جس سے موآب پیدا ہوا تھا (۳۲)۔ بائبل کے ان مضامین سے ظاہر ہو رہا ہے کہ عوبید کی والدہ رُوت کا سلسلۂ نسب اسی موآب سے جا ملتا ہے۔ نسب نامے کے مطابق یہ عوبید، حضرت داؤد علیہ السلام کا دادا ہے یعنی بائبل کے ان (جھوٹے) مضامین کی بنا پر حضرت داؤد علیہ السلام اپنے اجداد کے مادری سلسلۂ نسب میں (معاذ اللہ) صحیح النسب نہ ہوئے اور بہ مطابق نسب نامہ یہی حضرت داؤد علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اجداد میں داخل ہیں تو اس نسبی قباحت کی نسبت حضرت عیسیٰؑ کی طرف بھی ہو رہی ہے۔

۳۰۔ تیسویں خرابی یہ ہے کہ مذکورہ نسب نامے کے دوسرے حصے میں حضرت عیسیٰؑ کے اجداد میں رحبعام بھی شامل ہے جو حضرت سلیمانؑ کا بیٹا ہے۔ نئے عہد نامے کی کتاب سلاطین اول سے ثابت ہے کہ

رحُبعام کی والدہ کا تعلق بنی عمون سے ہے۔ (۳۳) بنی عمون کا سلسلۂ نسب بہ مطابق کتاب پیدائش بن عمی سے جا ملتا ہے۔ اس کے متعلق کتاب پیدائش میں تصریح ہے کہ حضرت لوطؑ کی بیٹیوں نے اپنے باپ حضرت لوطؑ کو (معاذ اللہ) جب دوسری رات بھی شراب پلائی اور وہ شراب کے نشے کے زیر اثر ہوئے تو (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) چھوٹی بیٹی ان سے ہم آغوش ہوئی جس کے نتیجے میں اس کے بطن سے بن عمی پیدا ہوا تھا۔ (۳۴) یوں بھی حضرت عیسیٰؑ اپنے اجداد کے مادری سلسلۂ نسب کے لحاظ سے (معاذ اللہ) صحیح النسب نہ ہوئے۔

۳۱۔ اکتیسویں خرابی یہ ہے کہ اوپر نکتہ نمبر ۲۶ میں دی گئی وضاحت کے مطابق کتاب استثناء کی رو سے حرام زادہ خداوند کی جماعت میں شامل ہونے کا اہل نہیں، لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح خداوندی جماعت ہی سے خارج ہو گئے چہ جائیکہ عیسائی حضرات انہیں مسیح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ابن اللہ قرار دیں۔ حضرت عیسیٰؑ بالاتفاق بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے لہٰذا انہیں حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل سے ثابت کرنے کے لئے لامحالہ ان کے مادری سلسلۂ نسب کو ہی ملحوظ رکھنا ہوگا۔ جب حضرت عیسیٰؑ کے لئے مادری سلسلۂ نسب کو معتبر مانا جائے گا تو حضرت داؤدؑ کے مادری سلسلۂ نسب کا بھی یقیناً اعتبار کرنا پڑے گا، لہٰذا موآبیوں اور بنی عمّوں کے حوالے سے جو اعتراضات پیدا ہو رہے ہیں وہ بحال رہیں گے۔ کتاب استثناء میں کسی بھی حرام زادے کی نسل کو صرف دس پشتوں تک خداوندی جماعت میں داخل ہونے سے روکا گیا ہے تو یہاں دس کے عدد کو مجازی معنوں میں لینا ہوگا کیونکہ اگر دسویں پشت ناپاک ہو تو گیارہویں پشت کیسے پاکیزہ ہو جائے گی؟ چنانچہ عیسائی حضرات کے نزدیک حضرت آدم و حوا کا مبینہ گناہ ان کی نسل میں لگاتار سرایت کرتا آ رہا تھا جسے وہ موروثی گناہ قرار دیتے ہیں، یہ کسی پشت پر جا کر رک نہیں گیا تھا تاہم اگر یہاں دس کے عدد کو حقیقی معنیٰ میں بھی لیا جائے تو پھر بھی حضرت داؤدؑ، فارص کی نویں پشت میں اور حضرت سلیمانؑ دسویں پشت میں ہونے کے اعتبار سے خداوندی جماعت سے نکلے جا رہے ہیں، جیسا کہ قبل ازیں نکات نمبر ۲۶، اور ۲۷ میں واضح کیا جا چکا ہے۔

۳۲۔ بتیسویں خرابی یہ ہے کہ نسب نامے میں مذکور خود حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کے خاندان پر بھی پرانے عہد نامے کی کتاب سموئیل دوم میں فحاشی وغیرہ کے نہایت ہی سنگین بہتان لگائے گئے ہیں (۳۵) ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

(الف) حضرت داؤدؑ نے شاہی محل کی چھت پر سے اوریاہ کی نہایت خوبصورت بیوی کو دیکھا جو نہا رہی تھی تو کچھ آدمیوں کو بھیج کر اسے پکڑ والیا۔ یعنی آپ نے ایک غیر محرم اور اجنبی عورت کو (معاذ اللہ)

شہوت کی نظر سے دیکھا، ادھر انجیل متی میں ہے ''تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا زنا نہ کرنا۔ لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جس کسی نے بری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا'' (۳۶)

ب: اسی کتاب سموئیل کے مطابق حضرت داؤدؑ نے مذکورہ خاتون بت سبع سے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) زنا کیا جس سے وہ حاملہ ہوگئی۔ حالانکہ تورات کے احکام عشرہ کا ایک حکم یہ بھی ہے ''تو زنا نہ کرنا'' (۳۷)

ج: حضرت داؤدؑ نے (معاذ اللہ) زنا بھی اپنے ہمسائے کی بیوی سے کیا یوں پڑوسی کی حق تلفی اور اس پر ظلم کا بھی آپ نے (معاذ اللہ) ارتکاب کیا۔

د: حضرت داؤدؑ نے (معاذ اللہ) اگر زنا کیا تھا تو اپنے اوپر اور مذکورہ خاتون پر کوئی حد جاری نہیں کی حالانکہ پرانے عہد نامے کی کتاب احبار میں ہے ''اور جو شخص دوسرے کی بیوی یعنی اپنے ہمسائے کی بیوی سے زنا کرے وہ زانی اور زانیہ دونوں ضرور جان سے مار دیئے جائیں'' (۳۸) اور کتاب استثنا میں ہے ''اگر کوئی مرد کسی شوہر والی عورت سے زنا کرتے ہوئے پکڑا جائے تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں یعنی وہ مرد بھی جس نے اس عورت سے صحبت کی اور وہ عورت بھی۔ یوں تو بنی اسرائیل میں سے اس برائی کو دفع کرنا'' (۳۹)

ھ: اسی کتاب سموئیل دوم میں ہے کہ حضرت داؤدؑ نے مذکورہ بالا خاتون بت سبع کے خاوند اوریاہ کو میدان جنگ میں لشکر سے بلایا اور اسے گھر جانے کا حکم دیا تاکہ بت سبع کا حمل اوریاہ کی طرف منسوب ہو جائے۔

و: اوریاہ گھر نہ گیا اور شاہی محل کے دروازے پر سو گیا پوچھنے پر اس نے بتایا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ لوگ تو میدان جنگ میں ہوں اور میں گھر جا کر کھاؤں، پیؤں اور بیوی کے ساتھ سوؤں اور قسم کھائی کہ ان حالات میں میں گھر نہیں جاؤں گا اس پہر داؤدؑ نے اسے اپنے ساتھ کھانا کھلایا اور اسے (معاذ اللہ) شراب پلائی تاکہ وہ نشے میں بدمست ہو کر گھر چلا جائے لیکن وہ پھر بھی نہ گیا۔

ز: اب حضرت داؤدؑ نے اسی اوریاہ کے ہاتھ لشکر کے سردار یوآب کو (معاذ اللہ) خط بھیجا کہ اسے لشکر کی پہلی صف میں لڑنے کے لئے بھیجا جائے اور وہاں ایسی جگہ کھڑا کیا جائے جہاں وہ دشمن کے ساتھ لڑائی میں مارا جائے چنانچہ یہ ترکیب کامیاب رہی اور اوریاہ مارا گیا۔

ح: جب اوریاہ کی بیوی بت سبع کے اپنے شوہر کی موت پر نوحہ اور ماتم کے دن ختم ہو گئے تو داؤدؑ

نے (معاذ اللہ) پہلے سے طے شدہ منصوبے کے تحت اسے بلا کر اپنے گھر رکھ لیا اور یوں وہ آپ کی بیوی ہوگئی۔

ط: خدا نے حضرت داؤدؑ کے مذکورہ بالا جرائم پر ناراضی کا اظہار کیا اور یہ اطلاع دی کہ بت سبع سے پیدا ہونے والا تیرا یہ لڑکا مرجائے گا لیکن اس کے باوجود داؤدؑ نے اس لڑکے کے زندہ رہنے کی دعا کی، روزہ رکھا اور زمین پر سوئے (۴۰) بائبل کے ایسے شرم ناک مضامین صرف حضرت داؤدؑ ہی کے متعلق نہیں بلکہ ان کے پورے گھرانے کا (معاذ اللہ) یہی حال بیان کیا گیا ہے چنانچہ حضرت داؤدؑ کے بڑے بیٹے امنون نے اپنی علاتی (باپ کی طرف سے) بہن تمر سے (معاذ اللہ) زبردستی زنا کیا یہ تمر حضرت داؤد علیہ السلام کے دوسرے بیٹے ابی سلوم کی حقیقی بہن تھی۔ حضرت داؤدؑ نے امنون پر قطعاً کوئی حد جاری نہ کی البتہ ابی سلوم نے موقع پا کر امنون کو قتل کر ڈالا (۴۱) داؤدؑ کے اس بیٹے ابی سلوم کے متعلق بائبل کا مضمون یہ ہے کہ وہ (معاذ اللہ) کھلم کھلا حضرت داؤدؑ کی حرموں کے پاس (بدکاری کے لئے) گیا (۴۲) اس نے اپنے اس جرم پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ اپنے باپ حضرت داؤدؑ سے جنگ کی جس میں بیس ہزار اسرائیلی مارے گئے۔ اس کے باوجود حضرت داؤدؑ نے بہ مطابق کتاب سموئیل دوم اپنے لشکر کو حکم دے رکھا تھا کہ ابی سلوم کو قتل نہ کیا جائے لیکن جنگی جرنیل یوآب نے آپ کے اس حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ابی سلوم کو قتل کر دیا، جس پر داؤدؑ اپنے اس نا خلف بیٹے پر نوحہ اور ماتم کرتے ہوئے روئے (۴۳)۔ غور کیجئے بہ طابق کتاب استثناء کوئی حرام زادہ خداوند کی جماعت میں دسویں پشت تک بھی داخل ہونے کا اہل نہیں جیسا کہ قبل ازیں نکتہ نمبر ۲۶ میں مذکور ہو چکا ہے۔ نیز غور کیجئے کہ حضرت داؤدؑ کے بت سبع سے پیدا ہونے والے اسی طرح کے بیٹے کو خدا نے مار ڈالا۔ حرام زادہ ہونا تو غیر اختیاری ہے کہ قصور اس کے زانی باپ اور زانیہ ماں کا ہے جب کوئی حرام زادہ خداوند کی جماعت میں نہیں ہوسکتا تو بھلا کوئی زانی خداوند کی جماعت میں کیوں کر داخل ہوسکتا ہے؟ بائبل کے ان فحش مضامین کی رو سے حضرت داؤدؑ نہ صرف روایت بلکہ درایت کی بنا پر بھی (معاذ اللہ) خداوندی جماعت سے نکلے جا رہے ہیں۔ حضرت یسوع مسیح کا نسب ان سے جوڑنے کا آخر فائدہ ہی کیا ہوا؟

۳۳۔ تینتیسویں خرابی یہ ہے کہ نسب نامے میں مذکور حضرت سلیمان بن داؤدؑ پر بھی فحاشی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر غیر معبودوں کی عبادت کرنے کے بائبل میں سنگین بہتان لگائے گئے ہیں (۴۴) مثلاً کتاب سلاطین اول میں ہے کہ خدا کے منع کرنے کے باوجود حضرت سلیمانؑ اپنی آخری عمر میں فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی عورتوں یعنی موآبی، عمّی، ادومی، صیدانی اور حتّی عورتوں سے (معاذ اللہ) عشق کا

دم بھرنے لگے۔ آپ کی ایک ہزار بیویاں تھیں۔ آپ کی بیویوں نے آپ کے دل کو (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) غیر معبودوں کی طرف مائل کر دیا اور آپ نے بتوں کے لئے بڑے بڑے بت خانے یروشلم کے سامنے پہاڑ پر بنوائے جو سینکڑوں برس قائم رہے یہاں تک کہ حضرت سلیمانؑ کی وفات کے ۳۳۰ سالوں کے بعد بہ مطابق بائبل شاہ یہودا یوصیاہ بن آمون نے ان بتوں اور بت خانوں کو ختم کیا۔ اس ضمن میں حضرت سلیمانؑ پر بائبل میں پانچ بہتان گھڑے گئے ہیں:

الف: بڑھاپے میں انسان خدا کی طرف زیادہ متوجہ ہوتا ہے مگر حضرت سلیمان علیہ السلام (معاذ اللہ) غیر معبودوں کی طرف مائل ہو کر مرتد ہو جاتے ہیں۔ ادھر عہد نامے کی کتاب استثناء کا مضمون یہ ہے کہ جو بھی خواہ وہ معجزات دکھانے والا نبی ہی کیوں نہ ہو، لوگوں کو غیر معبودوں کی پوجا کی دعوت دے اور پوجا کرے تو اسے سنگسار اور قتل کر دینا چاہئے (۴۵) بائبل کے ان مضامین کی روشنی میں حضرت داؤدؑ کی طرح ان کے صاحبزادے حضرت سلیمانؑ بھی (معاذ اللہ) واجب القتل ٹھہرتے ہیں چہ جائیکہ انہیں تختِ خداوندی کا جانشین اور وارث قرار دیا جائے اور یسوع مسیح کا سلسلۂ نسب ان سے جوڑا جائے۔ یہاں یہ تاویل بھی لغو ہوگی کہ حضرت سلیمانؑ نے مبینہ ارتداد سے توبہ کر لی تھی ورنہ وہ بت خانوں کو مسمار کراتے اور بت پرست عورتوں سے علیحدگی اختیار کرتے بلکہ ان پر موسوی شریعت کے مطابق قتل کی سزا نافذ کرتے کیونکہ کتاب خروج میں ہے ''جو کوئی واحد خدا کو چھوڑ کر کسی اور معبود کے آگے قربانی چڑھائے وہ بالکل نابود کر دیا جائے'' (۴۶) نیز بائبل سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ مرتد کی توبہ قتل ہوئے بغیر قبول ہو سکتی ہے ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بچھڑے کی پوجا کرنے والے ہزاروں افراد کے قتل کا حکم نہ دیتے (۴۷)۔

ب: حضرت سلیمانؑ نے (معاذ اللہ) بڑے بڑے بُت خانے تعمیر کروائے جو ان کی وفات کے بعد بھی مبینہ طور پر عرصۂ دراز تک قائم رہے۔

ج: حضرت سلیمانؑ نے ان قوموں کی خواتین سے نکاح کیا جن سے خدا نے کسی طرح کا بھی تعلق قائم کرنے سے منع کر رکھا تھا۔

د: اسرائیلی بادشاہوں کے لئے بہ مطابق بائبل زیادہ شادیاں کرنے کی ممانعت تھی چنانچہ کتاب استثناء میں ہے ''اور وہ بہت سی بیویاں نہ رکھے ایسا نہ ہو کہ اس کا دل پھر جائے اور نہ وہ اپنے لئے سونا چاندی ذخیرہ کرے'' (۴۸) لیکن اس ممانعت کے باوجود حضرت سلیمانؑ نے ایک ہزار عورتوں سے نکاح کیا۔

ھ: کتاب سلاطین اول کے ان متعلقہ مضامین کی رو سے حضرت سلیمانؑ کی بیویاں بھی ان بتوں پر

(معاذ اللہ) خوشبو چھڑکتی، بخور جلاتی اور قربانی گزرانتی تھیں لہٰذا موسوی شریعت کے مطابق واجب القتل تھیں لیکن حضرت سلیمانؑ نے عمر بھی انہیں کوئی سزا نہیں دی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ اہل کتاب کے ہاں انبیاء علیہم السلام (معاذ اللہ) عام کبائر سے بھی آگے بڑھ کر غیر معبودوں کی عبادت کر کے اور بت خانے بنوا کر مرتد بھی ہو جاتے ہیں۔ یاد رہے کہ حضرت سلیمانؑ کا نبی ہونا قرآن کریم کے علاوہ بائبل سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ کتاب سلاطین اول میں ہے ''اور خداوند کا کلام سلیمان پر نازل ہوا کہ یہ گھر جو تو بناتا ہے سو اگر تو میرے آئین پر چلے اور میرے حکموں کو پورا کرے اور میرے فرمانوں کو مان کر ان پر عمل کرے تو میں اپنا وہ قول جو میں نے تیرے باپ داؤدؑ سے کیا تیرے ساتھ قائم رکھوں گا'' (۴۹)

۳۴۔ چونتیسویں خرابی یہ ہے کہ نسب نامے کے تیسرے حصے میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام بھی ہے۔ جو حضرت اسحاقؑ کے صاحبزادے ہیں۔ ان پر اور ان کے خاندان پر بھی پرانے عہد نامے کی کتاب پیدائش میں فحاشی وغیرہ کے کئی بہتان لگائے گئے ہیں۔ مثلاً ایک بہتان یہ بھی ہے کہ جب حضرت یعقوبؑ اپنے ماموں کے گاؤں پہنچے اور آپ لوگوں سے اپنے ماموں لابن کے گھر کا پتہ پوچھ رہے تھے کہ اسی اثنا میں لابن کی بیٹی راخل اپنی بکریاں لے کر وہاں آ گئی تو حضرت یعقوبؑ نے (معاذ اللہ) اس راخل کو چوما اور چلا چلا کر روئے (۵۰) حالانکہ اس وقت راخل حضرت یعقوبؑ کے لئے ایک نامحرم اور کنواری لڑکی تھی۔ اس سے آپ کا نکاح تو کئی سالوں کے بعد جا کر ہوا تھا۔ حضرت یعقوبؑ کے گھرانے پر بھی اسی کتاب پیدائش میں ایسے ہی شرمناک بہتان لگائے گئے ہیں، مثلاً آپ کی صاحبزادی دینا پر (معاذ اللہ) آوارگی کا الزام لگایا گیا ہے اور آپ کے صاحبزادے روبن کے متعلق کہا گیا ہے ''اور اسرائیل کے اس ملک میں رہتے ہوئے یوں ہوا کہ روبن نے جا کر اپنے باپ کی حرم بلہاہ سے مباشرت کی اور اسرائیل کو یہ معلوم ہو گیا'' (۵۱) یعنی روبن نے (معاذ اللہ) اپنی سوتیلی ماں سے بدکاری کی حالانکہ اسی کتاب پیدائش سے پتہ چلتا ہے کہ ایسے مجرم کو زندہ جلایا جائے'' اور قریباً تین مہینے کے بعد یہوداہ کو یہ خبر ملی کہ تیری بہو تمر نے زنا کیا اور اسے چھنالے کا حمل بھی ہے۔ یہوداہ نے کہا کہ اسے باہر نکال لاؤ کہ وہ جلائی جائے'' (۵۲)۔ یاد رہے کہ اسرائیل حضرت یعقوبؑ ہی کا لقب ہے اور یہوداہ مذکور آپ کا بیٹا ہے اسی نے بہ مطابق کتاب پیدائش اپنی مذکورہ بہو سے زنا کیا تھا۔ بائبل کی رو سے حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں روبن اور یہوداہ پر اسی طرح یہوداہ کی بہو پر کوئی حد جاری نہیں کی۔ یہوداہ نے اپنی مذکورہ بہو تمر کو جلانے کا ارادہ کیا لیکن جب بہ مطابق کتاب پیدائش اسے پتہ چلا کہ اس کی بہو تمر کو یہوداہ ہی کا حمل ہے تو حد جاری نہیں کی بلکہ اپنی اس بہو کو صادق قرار دیا۔ ادھر بہ مطابق کتاب پیدائش حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں

روبن، شمسون اور لاوی کی حرکتوں پر تو ان کی کچھ مذمت کی لیکن یہوداہ کی مذمت تو درکنار، اس کی بیحد تعریف کی اور دوسرے بھائیوں پر اسے ترجیح دی (۵۳)۔ کتاب پیدائش ہی میں حضرت یعقوبؑ کا اپنے باپ حضرت اسحاقؑ سے (معاذ اللہ) جھوٹ بولنا اور دھوکہ دینا، اپنے بڑے بھائی عیسو کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانا وغیرہ بے ہودہ مضامین موجود ہیں۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق بتایا گیا ہے کہ نبوت تو ان کے بڑے بھائی عیسو کا حق تھا عیسو ایک مرتبہ جنگل سے آیا تو اسے سخت بھوک لگی ہوئی تھی ادھر حضرت یعقوبؑ نے مسور کی دال پکا رکھی تھی۔ عیسو نے حضرت یعقوبؑ سے کھانا مانگا تو حضرت یعقوبؑ نے اس شرط پر دیا کہ نبوت سمیت بڑے اور پہلوٹھے بیٹے والے تمام حقوق مجھے دے دو۔ عیسو نے بھوک سے بے دم ہونے کی وجہ سے نبوت حضرت یعقوبؑ کو (معاذ اللہ) مسور کی دال اور روٹی کے عوض بیچ ڈالی (۵۴) اسی کتاب پیدائش کے مطابق حضرت یعقوبؑ کے والد حضرت اسحاقؑ نابینا ہو چکے تھے انہوں نے اپنے بڑے بیٹے عیسو سے کہا کہ اگر تم جنگل سے میرے لئے شکار لاؤ اور میری حسبِ منشاء مجھے کھلاؤ تو میں تمہیں برکت کی دعا دوں گا۔ عیسو بیچارہ تو جنگل میں شکار کے لئے چلا گیا ادھر حضرت یعقوبؑ نے اپنی والدہ ربقہ کے مشورے سے بکری کے دو چھوٹے بچے ذبح کر کے انہیں بہت عمدہ طریقے سے پکایا اور اپنے بازوؤں پر بکری کی کھال پہن لی اور اپنے باپ سے (معاذ اللہ) جھوٹ بول کر اپنے آپ کو عیسو ظاہر کیا اور کھانا کھلایا۔ عیسو کے بازوؤں پر لمبے لمبے بال تھے حضرت اسحاقؑ نے حضرت یعقوبؑ کے بازوؤں کو ٹٹول کر یہ سمجھا کہ واقعی عیسو انہیں کھانا کھلا رہا ہے اس طرح باپ کو (معاذ اللہ) دھوکہ دے کر برکت کی ساری دعائیں ان سے لے لیں۔ جب عیسو جنگل سے واپس آیا اور یہ ماجرا دیکھا تو وہ سخت پریشان اور رنجیدہ ہوا اور اپنے باپ حضرت اسحاقؑ سے شکایت بھی کی۔ حضرت اسحاقؑ نے بھی اس پر تعجب کا اظہار کیا اور اپنی بے بسی ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ اب تو برکت کی ساری دعائیں دے بیٹھا ہوں (۵۵/۱) یعنی بہ مطابق بائبل پیغمبر (معاذ اللہ) جھوٹ بول لیتے تھے، دھوکہ دیتے تھے۔ ''نسبی قرابت مثلاً بڑے بھائی کے حقوق کے پامال کرتے تھے۔ عام بھوکوں کو کھانا کھلانا تو درکنار، بڑے بھائی کو معمولی مسور کی دال تک مفت دینے کی بجائے اس کی بھاری قیمت وصول کرتے'' نبوت ایسی چیز تھی جسے خریدا اور بیچا جا سکتا تھا بزرگوں کو دھوکہ دے کر دوسروں کے حصے کی برکت کی دعائیں بھی چھینی جا سکتی تھیں اور (معاذ اللہ) خدا بھی کچھ نہیں کر پاتا تھا۔ اہل کتاب ان تمام مضامین کو الہامی سمجھتے ہیں اور یسوع مسیح کے نسب کو ایسے لوگوں سے جوڑ کر اسے بھی الہامی اور مقدس قرار دیتے ہیں۔

۳۵۔ پینتیسویں خرابی یہ ہے کہ مذکورہ نسب نامے میں شامل حضرات انبیاء کرام علیہم السلام پر شرم

ناک بہتان لگانے اور ان کی جانب سنگین جرائم منسوب کرنے میں کوئی کمی باقی رہ گئی تھی تو انجیل یوحنا میں حضرت عیسیٰؑ کی طرف ایک (جھوٹا) قول منسوب کر کے یہ کمی بھی پوری کر دی گئی ''جتنے مجھ سے پہلے آئے سب چور اور ڈاکو ہیں مگر بھیڑوں نے ان کی نہ سنی'' (۵۵/۲) یہاں سیاقِ کلام میں حضرت عیسیٰؑ صرف اپنے آپ کو بطور تشبیہ اچھا چرواہا قرار دیتے ہیں اور عوام کو بھیڑوں سے تشبیہ دیتے ہیں یوں ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ صرف وہی نجات دہندہ ہیں۔ جب گزشتہ انبیائے علیہم السلام تک (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) چور اور ڈاکو تھے تو عوام کا کیا حال ہوگا؟ پس ان نسب ناموں میں بھی حضرت عیسیٰؑ کے بعد اہلِ کتاب کے ہاں باقی سب جو کچھ ہیں وہ واضح ہو چکا۔

۳۶۔ چھتیسویں خرابی یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ (یعنی یسوع مسیح جن کا نسب نامہ پیش کیا جا رہا ہے) کی توہین سے بھی اہل کتاب باز نہ رہ سکے۔ چنانچہ عیسائیوں کے مقدس پیشوا پال (پولوس) کا یہ قول ہے ''مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کیونکہ لکھا ہے کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے'' (۵۶) ادھر بائبل کے پرانے عہد نامے کی کتاب احبار میں ہے کہ جو شخص خدا کو (معاذ اللہ) ملعون کہے یا اس طرح کا کوئی اور کفر بکے تو سب لوگ مل کر اسے سنگسار کریں (۵۷) پولوس نے حضرت مسیح کو (معاذ اللہ) خدا قرار دیا اور پھر اسی خدا کو ملعون کہا تو اسے شدید خدشہ لاحق ہوا ہوگا کہ لوگ موسوی شریعت کے مطابق کہیں اسے سنگسار ہی نہ کر دیں اس لئے اس نے نہایت چالاکی اور ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے لوگوں کے ذہن میں یہ بات بھی پختہ کر دی کہ شریعت بھی (معاذ اللہ) ملعون ہے لہٰذا موسوی شریعت کو نہ دیکھو۔ ''حالانکہ موسوی شریعت پر مضبوطی سے عمل پیرا رہنے کی سخت تاکید خود حضرت یسوع مسیح نے فرمائی تھی''۔ (۱/۵۷) اگر کسی مسیحی بھائی کو ملعون کہا جائے تو وہ سخت مشتعل ہوگا لیکن جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے کی جھوٹی کہانی گھڑیں اور اس کی آڑ میں حضرت عیسیٰؑ کو (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) لعنتی کہیں اور اس بنا پر ایسے لوگ شریعت کے فیصلے کے مطابق سنگسار کئے جانے کے لائق ہوں وہ ان کے مقدس پیشوا ٹھہرے۔ اگر اس جھوٹ کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت عیسیٰؑ کو سولی دی گئی تھی تو جس شخص پر ظلم کر کے اسے ناحق مصلوب کر دیا جائے تو صرف ایسے ظالموں کو ہی لعنتی ٹھہرانا چاہئے ان کی بجائے مظلوم مصلوب کو لعنتی قرار دینا کون سی تہذیب اور کون سی عقل ہے؟ نہایت تعجب ہے کہ صلیب کی جس لکڑی نے عیسائی حضرات کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کو تکلیف پہنچائی اور جس لکڑی نے حضرت عیسیٰؑ کو لوگوں کے لئے بقول سینٹ پال (معاذ اللہ) لعنتی بنایا وہ صلیبی لکڑی (Cross) بھی مقدس ہوگئی اور سینٹ پال بھی مقدس ہوگیا۔ نہایت افسوس کی بات ہے کہ یسوع مسیح کو صرف ملعون

کہنے پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ بائبل کے مضامین نے انہیں تختِ داؤدی اور مسیحیت سے ہی (معاذ اللہ) محروم کر دیا ہے۔ مثلاً نکتہ نمبر ۱۱ میں قبل ازیں مذکور ہو چکا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے نسب نامے میں یہویقیم بن یوسیاہ بھی شامل ہے جس کے متعلق یرمیاہ نبی نے صاف بتا دیا تھا کہ اس یہویقیم کی نسل سے کوئی بھی تختِ داؤدی پر نہیں بیٹھے گا۔ ادھر انجیل لوقا میں حضرت جبرائیلؑ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا گیا ہے ''اور خداوند خدا اس کے باپ داؤد کا تخت اسے دے گا'' (۲/ ۵۸) نیز مثلاً حضرت عیسیٰؑ کی تشریف آوری سے پہلے بہ مطابق اناجیل ایلیاہ کا آنا ضروری تھا۔ چنانچہ انجیل متی میں ہے ''شاگردوں نے اس سے پوچھا کہ پھر فقیہ کیوں کہتے ہیں کہ ایلیاہ کا پہلے آنا ضرور ہے؟ اس نے جواب میں کہا کہ ایلیاہ البتہ آئے گا اور سب کچھ بحال کرے گا۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ ایلیاہ تو آچکا اور انہوں نے اسے نہیں پہچانا بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا اسی طرح ابن آدم بھی ان کے ہاتھ سے دکھ اٹھائے گا۔ تب شاگرد سمجھ گئے کہ اس نے ان سے یوحنا بپتسمہ دینے والے کی بابت کہا ہے (۵۹) نیز اسی انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کا قول ہے'' کیونکہ سب نبیوں اور توریت نے یوحنا تک نبوت کی۔ اور چاہو تو مانو ایلیاہ جو آنے والا تھا یہی ہے'' (۶۰) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰؑ، حضرت یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) کو ایلیاہ قرار دے رہے ہیں۔ مگر ادھر حضرت یوحنا ہیں جو اپنے کو ایلیاہ قرار دینے سے صاف صاف انکار فرما رہے ہیں چنانچہ انجیل یوحنا میں ہے ''اور یوحنا کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے؟ تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا میں مسیح نہیں ہوں۔ انہوں نے اس سے پوچھا پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟۔ اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ کیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔'' (۶۱) اس سے بخوبی معلوم ہوا کہ حضرت یوحنا نے مسیح ہونے سے بھی انکار کیا، ایلیاہ ہونے سے بھی انکار کیا اور پھر وہ نبی (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہونے سے بھی انکار کیا۔ ہمارے نزدیک وہ نبی سے مراد خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان کی آمد کی خبریں اس تواتر سے لوگوں کو پہنچی تھیں کہ آپ کا اسم گرامی لینے کی بھی پوچھنے والوں نے ضرورت محسوس نہیں کی۔ الغرض جسے حضرت عیسیٰؑ ایلیاہ قرار دے رہے ہیں اور جس کی آمد پر حضرت عیسیٰؑ کا مسیح ہونا موقوف ہے، وہ اپنے آپ کو ایلیاہ ماننے سے صاف انکار کر رہا ہے تو اہل کتاب ہی اس گتھی کو سلجھائیں کہ اناجیل اور بائبل کے دیگر مضامین سے حضرت یسوع کا مسیح ہونا وہ کیسے ثابت کر سکتے ہیں؟۔ وہ حضرت یسوع (عیسیٰؑ) کے معجزات کو بھی بطور دلیل پیش نہیں کر سکتے کیونکہ جیسا کہ قبل ازیں نکتہ نمبر ۱۱ میں واضح کیا جا چکا ہے بقول یسوع مسیح ایسی نشانیاں تو جھوٹے نبی اور جھوٹے مسیح بھی دکھائیں گے۔

۳۷۔ سینتیسویں خرابی ان نسب ناموں کے ماننے والوں کی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے ان نسب ناموں میں صریح تضادات، کھلے اختلافات، لاینحل اشکالات، عقلی محالات اور نسب ناموں میں شامل حضرات انبیائے علیہم السلام حتی کہ حضرت عیسیٰؑ تک کی سنگین توہین پر مشتمل بائبل کے مضامین کے متعلق ان لوگوں کا اقرار اور اصرار ہے کہ بائبل کو ہر حال میں مقدس اور الہامی سمجھا جائے۔

یہ رہے یسوع مسیح کے ''الہامی'' نسب نامے۔ جن کی گونا گوں خرابیوں پر اپنی خفت اور شرمندگی کو چھپانے کے لئے بعض مستشرقین نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامے کو ہدفِ تنقید بنایا ہے اور بزعم خویش یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ آپ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی نسل سے نہیں ہیں۔ یوں ان کے اعتراضات کے پس پردہ اصل محرکات سامنے آ گئے۔ عربوں کا بنو اسماعیل سے ہونا، مکۂ مکرمہ اور بیت اللہ (کعبہ) کا حرمت وتقدس، خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بعض بشارات، ان سب امور کا بائبل سے بخوبی ثابت ہونا ہم گزشتہ قسط میں واضح کر چکے ہیں۔ یہاں ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰؑ کے نسب ناموں کے اعتبار سے متعصب مستشرقین کی توجہ درج ذیل بعض امور کی طرف مبذول کراتے ہیں:

۱۔ یسوع مسیح کے مذکورہ بالا زیر بحث نسب نامے نہایت غیر معتبر اور سخت مشکوک ہیں بلکہ ان کے کچھ حصے یقیناً جھوٹے ہیں۔ اگر ایسے ''الہامی'' نسب ناموں سے حضرت یسوع مسیح کا بنو اسرائیل سے ہونے کا دعویٰ خلل پذیر نہیں ہوتا تو اہل سیر اور مؤرخین کے بیان کردہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر الہامی نسب نامے کے کچھ حصے ظنی ہوں، یقینی اور قطعی نہ ہوں تو اس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بنو اسماعیل سے ہونے کا ہمارا دعویٰ کیوں قابلِ قبول نہیں ہے؟ یہاں یہ یاد رہے کہ ظن میں نسیان وخطا کا محض احتمال ہوتا ہے جبکہ مسیحی نسب ناموں میں اغلاط کا صرف احتمال ہی نہیں بلکہ یہ اغلاط یقیناً موجود ہیں۔ بایں ہمہ یسوع مسیح کا نسب نامہ حضرت اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) کے واسطے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک صحیح مانا جائے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب حضرت اسماعیل علیہ السلام کے واسطے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک صحیح نہ مانا جائے تو اس سے بڑھ کر متعصبانہ اور معاندانہ رد یہ کون سا ہوگا؟۔

۲۔ اگر کسی واقعے کا عنوان طبقاتی تواتر سے ثابت ہو تو اس کے متعلق تاریخی جزئیات میں کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو بلکہ بالفرض یہ جزئیات جھوٹی ہی کیوں نہ ہوں، اس سے اس عنوان کا صحیح ہونا ہرگز متاثر نہیں ہوتا۔ مثلاً ہیروشیما اور ناگاساکی دو جاپانی شہروں پر دوسری جنگ عظیم میں ایٹم بم پھینکا گیا تھا، یہ خبر طبقاتی تواتر سے ثابت ہے اس سے انکار کرنے والے کو جاہل یا ضدی متعصب گردانا جائے گا، کیونکہ اس

خبر کے سچے ہونے میں کسی شک وشبہہ کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اب اگر اس ایٹمی حملے سے ہونے والے نقصانات کی تفاصیل میں بالفرض شدید اختلاف ہو یا یہ تفاصیل بالکل غیر معتبر نظر آئیں بلکہ جھوٹی ہوں تو اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا پرلے درجے کی حماقت ہوگی کہ ان شہروں پر کوئی ایٹمی حملہ سرے سے ہوا ہی نہیں تھا۔ حضرت مسیح کا بنو اسرائیل سے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بنو اسماعیل سے ہونا طبقاتی تواتر سے ثابت ہے، لہٰذا متعلقہ نسب نامے صحیح ہوں یا غلط، معتبر ہوں یا غیر معتبر، اس سے حضرت مسیحؑ کے بنو اسرائیل سے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بنو اسماعیل سے ہونے کی حقیقت ہرگز متاثر نہیں ہوتی۔ جو کچھ طبقاتی تواتر سے ثابت ہو ادھر اُدھر کی تاریخی جزئیات سے اسے جھٹلایا نہیں جاسکتا خواہ یہ جزئیات کہیں سے بھی دستیاب ہوں انہیں طبقاتی تواتر سے ثابت ہونے والے حقائق کے تابع کیا جائے گا۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو ایسی تاریخی جزئیات کو دیوار پر دے مارنا ہوگا لیکن جہالت یا تعصب کی بنا پر مستشرقین اس اصول کو ملحوظ نہیں رکھتے۔

۳۔ انجیل لوقا میں ہے ''پھر کسی سردار نے اس سے یہ سوال کیا کہ اے نیک استاد! میں کیا کروں تاکہ ہمیشہ کی زندگی کا وارث بنوں؟ یسوع نے اس سے کہا تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے؟ کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا'' یہی مضمون انجیل مرقس میں بھی موجود ہے (۶۲) دیکھئے یہاں حضرت عیسیٰؑ حکم دے رہے ہیں کہ مجھے نیک نہ کہو۔ اگر اس سے ہمارے مسیحی بھائیوں کے نزدیک حضرت عیسیٰؑ نیکی سے باہر نہیں ہوگئے بلکہ ان کلمات کو تواضع اور انکسار کے اظہار پر محمول کیا جائے گا تاکہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کو خدا نہ بنائیں بعینہٖ اسی طرح اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی موقع پر یہ پسند نہ فرمایا کہ آپ کو مولیٰ (آقا) یا سیّد (سردار) کہا جائے کیونکہ حقیقی آقا اور حقیقی سردار تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تو اس سے بھی متعلقہ لوگوں کی وہی اصلاح مقصود تھی جو حضرت عیسیٰؑ کے پیش نظر تھی۔ اگر اس طرح کے کلمات سے حضرت عیسیٰؑ (جنھیں عیسائی حضرات یسوع کہتے ہیں) کا مقام ومرتبہ مجروح نہیں ہوتا تو بعینہٖ اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام ومرتبے میں بھی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔

۴۔ انجیل متی میں ہے ''اس پر حاکم کے سپاہیوں نے یسوع کو قلعے میں لے جا کر ساری پلٹن اس کے گرد جمع کی اور اس کے کپڑے اتار کر اسے قرمزی چوغہ پہنایا اور کانٹوں کا تاج اس کے سر پر رکھا اور ایک سرکنڈا اس کے داہنے ہاتھوں دیا اور اس کے آگے گھٹنے ٹیک کر اسے ٹھٹھوں میں اڑانے لگے کہ اے یہودیوں کے بادشاہ! آداب اور اس پر تھوکا اور وہی سرکنڈا لے کر اس کے سر پر مارنے لگے (۶۳) نیز اسی انجیل میں ہے ''اور راہ چلنے والے سر ہلا ہلا کر اسکو لعن طعن کرتے اور کہتے تھے اے مقدس کے ڈھانے

والے اور تین دن میں بنانے والے اپنے تئیں بچا اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو صلیب پر سے اتر آ۔ اسی طرح سردار کاہن بھی فقیہوں اور بزرگوں کے ساتھ مل کر ٹھٹھے سے کہتے تھے اس نے اوروں کو بچایا اپنے تئیں نہیں بچا سکتا۔ یہ تو اسرائیل کا بادشاہ ہے اب صلیب سے اتر آئے تو ہم اس پر ایمان لائیں گے'' (۶۴) نیز اسی انجیل میں ہے ''اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا ایلی ایلی لما شبقتنی ؟ اے میرے خدا، اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟'' (۶۵) اسی طرح کے مضامین دیگر اناجیل مثلاً انجیل مرقس میں بھی ہیں (۶۶) ہمارے نزدیک اناجیل کے یہ سارے مضمون جھوٹے ہیں تاہم ہمارے مسیحی بھائی انہیں درست سمجھتے ہیں۔ اگر مخالفین کے حضرت یسوع سے مذکورہ نہایت ہی توہین آمیز رویئے سے حضرت مسیح کا مرتبہ ہرگز متاثر نہیں ہوتا بلکہ عیسائیوں کے خیال میں حضرت یسوع پھر بھی ''خدا کے بیٹے'' ہی رہتے ہیں تو بعینہٖ اسی طرح اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین نے یہ کہہ دیا کہ یہ قرآن دو بستیوں (مکہ اور طائف) کے کسی بڑے (مال دار) آدمی پر کیوں نازل نہ کیا گیا یا اگر انہوں نے آپ کو (معاذ اللہ) مجنون، ساحر یا شاعر وغیرہ کہا اور پھر انہی مخالفین کی عظیم اکثریت نے بعد میں اسلام قبول کیا اور شریعتِ محمدیہ کے محافظ و امین اور داعی و مبلّغ بنے تو ان کے اس سابقہ رویئے سے ''خدا کے بیٹے'' کے نہیں بلکہ ''خدا کے بندے'' حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبے میں بھی ہرگز کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔

۵۔ سخت تعجب ہے کہ بائبل کے جن جامعین نے اسرائیلی انبیائے علیہم السلام اور ان کے خاندانوں کے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) زانی ہونے اور زنا میں ماں بیٹی، بہن اور بہو تک کی تمیز نہ کرنے، سب انبیائے علیہم السلام کے (معاذ اللہ) چور اور ڈاکو ہونے، حضرت سلیمانؑ کے (معاذ اللہ) مرتد ہونے اور یسوع مسیح کے لوگوں کے لئے (معاذ اللہ) لعنتی بننے جیسے نہایت گھٹیا، بے ہودہ بلکہ نہایت ہی شرم ناک جھوٹ گھڑے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنے متضاد بیانات اور مضامین سے خداوندی جماعت سے نکال باہر کیا اور حضرت یسوع علیہ السلام کو تختِ داؤدی سے محروم اور مسیح ہونے سے خارج کر ڈالا اور آسمانی کتب میں بدترین تحریف کی، ان جھوٹوں کے مضامین کو اہل کتاب الہامی اور مقدس ٹھہراتے ہیں اور انہیں اپنا پیشوا سمجھتے ہوئے فخر کرتے ہیں۔ اس کے برعکس بنو اسماعیل میں پیدا ہونے والے اور سب لوگوں کی طرف مبعوث خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، آپ پر نازل ہونے والی کتاب قرآن کریم اور آپ کی امت نے تمام انبیائے علیہم السلام کو بشمول انبیائے بنی اسرائیل نیکوکار اور اپنے زمانے کے افضل ترین افراد قرار دیا، ان کی عزت و عظمت اور شرف و نجابت کو بحال کیا، حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ کا مقرب اور اللہ کا خلیفہ قرار دیا، ان کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق واشگاف اعلان کیا کہ انہوں

نے کبھی کفر نہیں کیا اور حضرت عیسیٰؑ کو شریف النسب، جلیل القدر، باوقار، محترم و معزز اور سچا مسیح ٹھہرایا۔ ان کی مبینہ مصلوبیت کو غلط اور مبینہ تذلیل و توہین کو جھوٹ کا پلندہ قرار دیا تو بدقسمتی سے اہل کتاب ان سچے اور پاکیزہ مضامین کو منظر عام پر لانے والے خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر نازل ہونے والی کتاب قرآن کریم کے کھلے منکر اور آپ کی امتِ مسلمہ کے علانیہ مخالف ہو گئے۔ ان کا یہ رویہ سراسر خلاف عقل اور ناقابل فہم ہے پھر ان حضرات نے جو جھوٹے عقائد کفارہ، تثلیث اور مصلوبیتِ مسیح وغیرہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کر رکھے ہیں وہ بھی سراسر خلاف عقل و نقل ہیں ایسے خلاف عقل عقائد کی ہرگز ہرگز حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تعلیم نہیں دی۔ (۶۷)

۶۔ اسرائیلی انبیائے علیہم السلام کے متعلق قرآن کریم میں ہے:

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ O وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ O وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ O (۶۸)

اور ہم نے اس (ابراہیم) کو اسحاق اور یعقوب عطا کئے اور ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی اور اس سے پہلے ہم نے نوح کو ہدایت دی اور اس کی اولاد میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کو (بھی ہدایت دی) اور ہم اسی طرح نیکوکاروں کو صلہ دیا کرتے ہیں۔ اور زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس کو (بھی ہم نے ہدایت دی) یہ سب کے سب نیک لوگوں میں سے تھے۔ اور اسماعیل، السیع، یونس اور لوط کو (بھی ہم نے ہدایت دی) اور ہم نے ان سب کو (اپنے اپنے زمانے میں) تمام دنیا والوں پر فضیلت دی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے:

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ (۶۹)

اے داؤد! ہم نے تجھے زمین میں (اپنا) جانشین مقرر کیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت مریمؑ کی بھی قرآن کریم میں بھرپور تعریف کی گئی ہے۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ O (۷۰)

اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم! اللہ نے تجھے برگزیدہ کر لیا اور تجھے پاک و صاف رکھا

اور ساری دنیا کی عورتوں میں سے تجھے برگزیدہ کیا۔

اور حضرت عیسیٰؑ کے متعلق فرمایا گیا ہے

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَۃٍ مِّنْہُ اسْمُہُ الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ وَجِیْہًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ O (۷۱)

جب فرشتوں نے کہا اے مریم! بے شک اللہ تجھے اپنے ایک کلمے کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح بن مریم ہے جو دنیا اور آخرت میں باوقار ہے اور (میرے) مقربین میں سے ہے۔

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت مبارکہ ایک اعجازی شان لئے ہوئے ہے کہ وہ بغیر باپ کے اللہ تعالیٰ کی خاص قدرت اور کلمہ کُن (ہوجا) سے پیدا ہوں گے۔ وہ عزت اور وقار کے مالک ہوں گے۔ ظاہر ہے جو صاحبِ وقار ہوگا وہ لوگوں کے نزدیک نسب کے اعتبار سے نہ صرف صحیح النسب بلکہ شریف النسب بھی ہوگا ورنہ بائبل کے بیان کے مطابق جس کے آباواجداد (معاذ اللہ) زانی ہوں اور زنا ان کے گھر والوں کا محبوب مشغلہ ہو تو ایسے شخص کو معمولی سے معمولی عقل رکھنے والا شخص بھی ہرگز شریف النسب اور باوقار قرار نہیں دے گا۔ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق قرآن کریم میں مزید ارشاد ہے:

وَّبَرًّا م بِوَالِدَتِیْ ز وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا O (۷۲)

(عیسیٰؑ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا) اور مجھے (اللہ نے) اپنی والدہ کا خدمت گزار بنایا ہے اور مجھے سختی کرنے والا (تندخو اور) بدبخت نہیں بنایا۔

اس سے واضح ہے کہ سیّدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نرم خو تھے اور اپنی والدہ ماجدہ سے نہایت حسنِ سلوک سے پیش آتے تھے۔ اس کے برعکس اناجیل میں حضرت عیسیٰؑ کو اپنی ماں سے (معاذ اللہ) گستاخی سے پیش آنے والا قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً انجیل متی میں ہے ''کسی نے اس سے کہا دیکھ تیری ماں اور تیرے بھائی باہر کھڑے ہیں اور تجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے خبر دینے والے کو جواب میں کہا کہ کون ہے میری ماں اور کون ہیں میرے بھائی؟ (۷۳) انجیل یوحنا میں ہے ''اور جب مے ہو چکی تو یسوع کی ماں نے اس سے کہا کہ ان کے پاس مے نہیں رہی۔ یسوع نے اس کہا اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام؟'' (۷۴)۔ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق قرآن کریم میں مزید ارشاد ہے

وَّبِکُفْرِہِمْ وَقَوْلِہِمْ عَلٰی مَرْیَمَ بُہْتَانًا عَظِیْمًا O وَّقَوْلِہِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ج وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَہُمْ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْہِ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْہُ ط مَا لَہُمْ بِہٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ج وَمَا

قَتَلُوْهُ يَقِيْنًاO بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًاO (۷۵)

اور (وہ یہودی ملعون ہوئے) اپنے کفر کے باعث اور مریم پر بڑا بہتان باندھنے کے باعث۔ اور یوں کہنے کے باعث کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح بن مریم کو قتل کر ڈالا (وہ مسیح بن مریم کو رسول نہیں مانتے بطور استہزاء ایسا کہہ رہے ہیں) حالانکہ نہ تو انہوں نے اسے قتل کیا اور نہ ہی اسے سولی دی لیکن ان لوگوں کو (حضرت عیسیٰؑ کے متعلق) شبہے میں ڈال دیا گیا۔ بلاشبہ جن لوگوں نے اس (عیسیٰ کے) بارے میں اختلاف کیا وہ اس کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں ان کے پاس اٹکل دوڑانے کے سوا کوئی علم نہیں، اور یہ یقینی بات ہے کہ انہوں نے اسے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا بے شک وہ بڑا زبردست (اور) حکمتوں والا ہے۔

قرآن کریم سے بائبل کے مضامین کے برعکس واضح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا اور آخرت میں باوقار ہیں کوئی انہیں سولی دینے، ان کے منہ پر تھوکنے، ان کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھنے، ان کو جسمانی ضربات لگانے، کوڑے مارنے، ان پر طعن وتشنیع کر کے ان کا مذاق اڑانے اور ان کی تحقیر وتذلیل کرنے پر ہرگز قادر نہیں ہوا۔ حضرت سلیمانؑ کے متعلق قرآن کریم میں ہے:

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ (۷۶)

اور سلیمان نے کفر نہیں کیا لیکن شیاطین نے کفر کیا جو لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔

معلوم نہیں کہ اہل کتاب کو اسرائیلی انبیائے علیہم السلام کے متعلق قرآن کریم کی پاکیزہ تعلیم کیوں پسند نہیں اور کیوں غلاظت پسند مکھی کی طرح ان حضرات کے متعلق بائبل کے جھوٹے اور فحش مضامین کو گلے لگاتے ہیں۔ اگر بائبل میں ہزاروں مرتبہ بھی مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ کا مقرب نبی اور پیارا ظاہر کیا گیا ہو اور مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہزاروں مرتبہ مسیح قرار دیا گیا ہو تو بھی یہ مضامین قطعاً کارآمد نہیں رہے، جب کہ اسی بائبل نے حضرت داؤد علیہ السلام کے تختِ خداوندی سے اور حضرت عیسیٰؑ کو تختِ داؤدی کا وارث ہونے اور مسیحیت سے خارج کر رکھا ہے۔ ہم نے یہاں بطور نمونہ اور مثال قرآن کریم کی چند آیات پیش کی ہیں ان متعلقہ آیات کا احاطہ اور استیعاب مقصود نہیں ہے۔

۷۔ جب اہل کتاب بائبل کے متضاد مضامین اور اپنے ہی اسرائیلی انبیائے علیہم السلام کے متعلق فحش الزامات کی وجہ سے نہ تو حضرت داؤد علیہ السلام کو خداوندی جماعت میں شامل ثابت کر سکتے ہیں اور نہ ہی حضرت یسوعؑ کو تختِ داؤدی کا وارث اور سچا مسیح ثابت کر سکتے ہیں تو لامحالہ اپنے ان دعووں کے ثبوت

کے لئے انہیں قرآن کریم کا سہارا لینا پڑے گا، جس کے پاکیزہ مضامین نے حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ اور دیگر تمام انبیائے علیہم السلام کی عزت و وقار کو بحال کیا، جس میں اس طرح کے لغو اور متضاد مضامین نہیں ملیں گے کہ مثلاً پال (پولوس) جیسا شخص ایک زبان سے حضرت یسوعؑ کو خدا کا بیٹا اور خدا اور پھر اسی زبان سے اسی خدا کو (معاذ اللہ) ملعون قرار دے۔ اب اگر اہل کتاب قرآن کریم سے رجوع کئے بغیر اپنا موقف ثابت کر ہی نہیں سکتے، کیونکہ ان کی محرف بائبل کے متضاد مضامین نے ان کے موقف کی جڑ ہی کاٹ دی ہے تو انہیں پورے قرآن پر ایمان لانا ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ ہم اہل اسلام کے پاس بائبل کے مضامین کو پرکھنے کے لئے قرآن کریم معیار اور کسوٹی ہے۔ جو مضامین اس کے مطابق ہوں گے وہ بسر وچشم قبول اور جو اس کے خلاف ہوں گے وہ سراسر مردود ہوں گے اور جو نہ خلاف ہوں اور نہ ہی مطابق، ان کی ہم نہ تصدیق کرتے ہیں اور نہ ہی تکذیب کرتے ہیں۔ لیکن اہل کتاب قرآن کریم کے لئے بائبل کو معیار نہیں ٹھہرا سکتے، کیونکہ اس کے بعض مضامین کا جھوٹا ہونا روز روشن کی طرح جب واضح ہو چکا، تو باقی حصوں کا بھی کیا اعتبار رہا؟ اگر اہل کتاب پورے قرآن پر ایمان نہیں رکھتے بلکہ اس کے کچھ مضامین کا انکار کریں اور کچھ مضامین کی تصدیق کریں تو خواہش نفس پر مبنی اس تصدیق کا بھی کیا اعتبار رہا؟۔ حضرت داؤد اور حضرت یسوع علیہم السلام کے متعلق ان کا موقف تو مجروح ومخدوش ہی رہے گا۔ غور کیجئے کہ اہل کتاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب اور خاندانی شرف وعظمت پر اعتراض کرنے چلے تھے، لیکن اپنے ہی بعض عقائد کو بچانے کے لئے قرآن کریم کے محتاج ہو کر رہ گئے۔ اگر وہ اس قرآنی گرفت کو خوشی سے قبول کریں اور پورے قرآن پر ایمان لائیں تو نہ صرف حضرت داؤد اور حضرت یسوع علیہم السلام کے متعلق ان کا یہ موقف سچا ہو جائے گا کہ حضرت داؤد علیہ السلام خداوندی جماعت میں داخل ہیں اور حضرت یسوع علیہ السلام تختِ داؤدی کے وارث اور سچے مسیح ہیں، بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی نسل سے ہونا، آپ کے خاندان کا معزز ومکرم ہونا، مکہ مکرمہ کا حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کے ذریعے آباد ہونا، خانہ کعبہ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذریعے تعمیر ہونا وغیرہ سب امور بھی انہیں ماننے پڑیں گے۔ قرآن کریم کے سچے ہونے پر نا قابلِ تردید دلائل کو انشاء اللہ حسبِ موقع بیان کیا جائے گا، لیکن قرآن کریم کا یہ اعجاز تو سب کے سامنے آ گیا کہ اہل کتاب حضرت داؤد اور حضرت یسوع کے متعلق اپنے مذکورہ بالا موقف کو قرآن کریم کے بغیر ہرگز ہرگز ثابت نہیں کر سکتے یوں وہ قرآن کریم کی مضبوط گرفت میں آ گئے۔ قرآن کریم کی اس مشفقانہ گرفت کو قبول کرنے میں ہی ان کی سلامتی ہے۔

بات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نسب ناموں سے چلی تھی۔ قرآن کریم میں ہے

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ (۷۷)

اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ اپنا منصبِ رسالت کسے سونپ رہا ہے؟

حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں اثر بن عباس نقل فرماتے ہیں ما بغت امرأة نبیّ قط ''کسی نبی کی بیوی نے کبھی بھی زنا نہیں کیا'' ایسا ہی قول عکرمہ، سعید بن جبیر اور ضحاک وغیرہ سے بھی منقول ہے (۷۸) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے خرجت من نکاح لا من سفاح (۷۹) ''میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں، بدکاری سے نہیں''۔ پس تمام انبیائے علیہم السلام نسب کے اعتبار سے بھی پاکیزہ ہوتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کے اناجیل میں مذکور نسب نامے میں جو انبیائے علیہم السلام شامل ہیں، ان پر فحاشی اور بدکاری کے الزامات جھوٹے ہیں، حضرت عیسیٰؑ بغیر باپ کے حضرت مریمؑ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے اس لئے ان کا صحیح سلسلۂ نسب حضرت مریمؑ کی جانب سے ہوگا نہ کہ کسی یوسف نجار سے یہ نسب جوڑا جائے گا، اور ہمارا ایمان ہے کہ حضرت مریم کے آباؤ اجداد میں جو نبی نہیں تھے وہ بھی باعتبار نسب پاکیزہ لوگ تھے، ان میں سے کوئی بھی (معاذ اللہ) بدکاری اور فحاشی کا مرتکب نہیں تھا۔

عرب مستعربہ کی حکومتیں

الف۔ مملکتِ انباط: قحطانی قبائل کی حکومتوں کے حالات میں یہ مذکور ہو چکا ہے کہ ان میں جنوبی عرب یعنی یمن کی سبائی حکومت نہایت طاقتور اور اس کا عرصہ خاصا طویل تھا، جنوبی عرب کے ان حکمرانوں کا اثر و رسوخ شمالی عرب پر بھی تھا۔ مملکتِ سبا کی حکومت کا تیسرا دور ۱۱۵ قبل مسیح سے ۳۰۰ عیسوی/۶۰۷ قبل ہجرت سے ۳۳۰ قبل ہجرت کا ہے۔ یہ آلِ سبا کے زوال کا ابتدائی دور کہلاتا ہے۔ تقریباً اسی زمانے میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے نیابوط یا نابت کی اولاد نے شام کے علاقے میں ایک شاندار اور متمدن حکومت کی بنیاد رکھی، جس کی حدود شمال میں غزہ اور جنوب میں عقبہ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ پیٹرا (بمتراء یا بطرہ) ان کا دارالحکومت تھا۔ اس زمانے میں نبطیوں میں کواکب پرستی اور بت پرستی شروع ہو چکی تھی۔ انہوں نے پیٹرا میں ایک شاندار عبادت گاہ تعمیر کی تھی جس میں وہ اپنے معبودوں کی عبادت کرتے تھے۔ اس عمارت کے آثار اب تک موجود ہیں۔ اس نبطی حکومت نے یمن سے شام تک کی تجارت کے بری راستے پر قبضہ کر لیا اور ساتھ ہی پیٹرا سے العلاء تک بالائی حجاز اور اردن کی

تمام نوآبادیوں سے سبائیوں کو نکال باہر کیا اور مملکت سبا کی تجارت پر قابض ہو گئے۔ عرب مستعربہ یعنی بنو اسماعیل کے قحطانی یمنی قبائل سے تصادم کا آغاز انباطی مملکت کے زمانے میں ہوا۔ جب اس علاقے میں رومی حکومت کو غلبہ حاصل ہوا تو تقریباً ۱۰۶ عیسوی/۵۳۳ قبل ہجرت میں نبطی حکومت ختم ہو گئی اور نبطی مختلف علاقوں میں منتشر ہو گئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل اور دور نبوی میں یہ لوگ شام اور اس کے ملحقہ علاقوں میں غلّے، روغن زیتون اور دوسری اشیا کی تجارت کرتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدنی دور میں غزوہ تبوک کے ضمن میں رومی حکومت کی مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریوں کی مسلسل خبریں انہی نبطی تاجروں کے ذریعے پہنچی تھیں جو مدینہ منورہ میں روغن زیتون وغیرہ کی تجارت کے سلسلے میں اکثر آمد و رفت رکھتے تھے۔ بعض ماہرین انساب اور شرق شناس انصارِ مدینہ اور شام کے غسانی حکمرانوں کو بھی نبطی قرار دیتے ہیں یعنی انہیں نابت بن اسماعیل کی نسل میں شمار کرتے ہیں۔

ب۔ مکہ مکرمہ کی شہری ریاست: مکہ مکرمہ پر بنو اسماعیل کی امارت کا پہلا دور حضرت اسماعیل ہی سے شروع ہوتا ہے۔ یہ تو مشہور و معلوم ہی ہے کہ مکہ کی حیثیت جب ایک غیر آباد اور بے آب و گیاہ وادی کی تھی تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنی اہلیہ محترمہ حضرت ہاجرہؓ اور ان کے بطن سے پیدا ہونے والے اپنے اکلوتے اور پہلوٹھے شیر خوار بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہاں آباد کیا۔ بیئر زمزم کے نمودار ہونے پر قبیلہ جُرہم کے لوگوں نے حضرت ہاجرہؓ کی اجازت سے اس علاقے میں سکونت اختیار کر لی۔ حضرت اسماعیل انہی لوگوں میں پھلے پھولے اور انہی سے عربی زبان سیکھی۔ چودہ سال کی عمر تک عربی روانی سے بولنے لگے۔ بعد میں آپ نے اپنے والد محترم ابراہیمؑ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں بیت اللہ (کعبہ معظمہ) کی عمارت کی تعمیر میں بھرپور حصہ لیا۔ بیت اللہ کی وجہ سے مکہ مکرمہ کو ہمیشہ سے مقدس شہر کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ آپ کی شادی قبیلہ جرہم کے ایک معزز سردار مقاض بن عمرو کی صاحبزادی سیّدہ سے ہوئی۔ جس کے بطن سے بارہ بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام بہ مطابق تورات یہ ہیں۔ نابیوط، قیدار، ادبئیل، مبسام، مشماع، دُومہ، مسا، حدد، تیما، یطور، نفیس، قدمہ۔ یہ سب اپنے اپنے قبیلوں کے سردار ہوئے (۸۲) ایک بیٹی نسمہ تھی جس کا نکاح آپ نے اپنے بھتیجے عیسو بن اسحاقؑ سے کیا تھا اور اس کے بطن سے روم، یونان اور اشبان پیدا ہوئے۔ حضرت اسماعیل عمر بھر مکی ریاست کے سربراہ رہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکہ مکرمہ اور اس کے ملحقہ علاقوں میں آباد قبائل جرہم و عمالیق اور اسی طرح اہل یمن کے لئے رسول تھے۔ آپ کی وفات کے بعد لوگوں کی دینی رہنمائی کے لئے حضرت اسحاقؑ آپ کے وصی تھے۔ آپ کا انتقال ۱۳۷ برس کی عمر میں ہوا اور مکہ مکرمہ میں اپنی والدہ کے پہلو میں

حجر (حطیم) میں مدفون ہوئے۔ آپ کے انتقال کے بعد مکہ کی حکومت اور بیت اللہ (کعبہ مکرمہ) کی تولیت آپ کے بڑے بیٹے نیابوط کو حاصل ہوئی، جسے نابت اور نبیت بھی کہا جاتا ہے۔ نابت کے بعد مکہ مکرمہ کی زمام اقتدار ان کے نانا مضاض بن عمرو جرہمی نے اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اسطرح مکہ کی امارت بنو اسماعیل سے بنو جرہم کی طرف منتقل ہوگئی۔ بنو اسماعیل نے اقتدار کے اپنے ننہالی قبیلے بنو جرہم میں منتقل ہونے پر اس قبیلے سے اپنی قرابت اور بیت اللہ کی حرمت کے پیش نظر مزاحمت نہیں کی۔ بنو اسماعیل میں نابت اور قیدلا کے علاوہ ان کے باقی بھائیوں کی نسلیں گم نام ہوگئیں۔ بنو جرہم کی مکہ مکرمہ پر حکومت کوئی دو ہزار برس تک رہی حضرت اسماعیل کا دور کوئی ۱۹۰۰ ق م یعنی ۲۵۹۹ قبل ہجرت کا ہے، کیونکہ گڈ نیوز بائبل کے آخر میں ملحق توقیتی جدول میں حضرت ابراہیمؑ کا دور ۲۰۰۰ ق م/۲۷۰۳ قبل ہجرت کا اور فلسطین میں ان کی آمد ۱۹۰۰ ق م/۲۵۹۹ قبل ہجرت کی ظاہر کی گئی ہے (۸۳) یوں بنو جرہم کی حکومت تقریباً ۱۰۰ عیسوی/ ۵۳۹ قبل ہجرت تک قائم رہی۔ اس طویل عرصے میں بنو جرہم کے روز افزوں اخلاقی انحطاط نے بتدریج ان کے زوال کی راہ ہموار کردی۔ معاشی بدحالی کی وجہ سے انہوں نے بیت اللہ کے زائرین پر ظلم کرنا شروع کردیا اور لوٹ مار سے کام لینے لگے۔ یہاں تک کہ خانہ کعبہ کے اموال اور تحائف میں بھی خیانت شروع کردی۔ بیت اللہ کی بے حرمتی کے واقعات بھی نمودار ہونے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ اساف نامی ایک مرد اور نائلہ نامی ایک عورت نے کعبہ میں بدکاری کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی شکلیں مسخ کردیں اور وہ پتھر بن گئے۔ یہ پتھر کعبے کے قریب ہی کھڑے کردیئے گئے، تاکہ لوگ انہیں دیکھ کر عبرت حاصل کریں، بعد میں بنو خزاعہ کے دور میں بت پرستی شروع ہوئی تو لوگ ان کی بھی پوجا کرنے لگے۔

حضرت اسماعیلؑ کے بیٹے قیدار کی نسل میں عدنان کی اولاد مکہ مکرمہ اور اس کے نواح میں آباد تھی۔ بنو جرہم کی نازیبا حرکتوں پر بنو عدنان نالاں تھے۔ چنانچہ جب بنو خزاعہ نے یمن سے ترک وطن کر کے مرّ الظہران میں قیام کیا تو انہوں نے مکہ کے حالات کی سنگینی کا اندازہ کرتے ہوئے بنو جرہم کے خلاف جنگ چھیڑ دی، جس میں ایک عدنانی قبیلے بنو بکر بن عبد مناف بن کنانہ کی حمایت بھی انہیں حاصل تھی۔ بنو جرہم کو شکست ہوئی۔ مکہ چھوڑتے وقت ان کے آخری حکمران حارث بن مضاض نے کعبے کے دو طلائی ہرنوں، کعبے کے کونے میں لگے ہوئے حجر اسود اور دیگر تاریخی نوادرات کو بیئر زمزم میں دفن کر کے کنویں کو پاٹ دیا اور اس کے نشانات تک مٹا دیئے۔ بنو جرہم مکے سے جلاوطن ہو کر یمن چلے گئے۔ مکے سے جلاوطنی اور اس کی حکومت سے محرومی کا انہیں شدید صدمہ تھا، جس کا بھرپور اظہار آخری جرہمی حکمران حارث بن مضاض کی طرف منسوب بعض اشعار سے ہوتا ہے۔ بنو جرہم کو مکے سے نکالنے کے بعد بنو خزاعہ نے حکومت

پر بلا شرکت غیرے قبضہ کرلیا اور بنو بکر کو اقتدار میں شامل نہیں کیا، تاہم تین مناصب بنو عدنان میں بعض مُضری قبائل کو حاصل ہوئے۔ الیاس بن مضر کی شاخ بنو غوث بن مرّہ کو صُوفہ کہا جاتا تھا۔ انہیں حاجیوں کو عرفات سے مزدلفہ لے جانے اور حج کے آخری دن یعنی ۱۳ ذی الحجہ کے یوم النفر کو منیٰ سے روانہ کرنے کا اعزاز حاصل تھا۔ ۱۳ ذی الحجہ کو صوفہ کی رمی سے پہلے دیگر حجاج کو اس کی اجازت نہ تھی۔ اس کے بعد حاجیوں کی منیٰ سے روانگی کے وقت منیٰ کی گزرگاہ عقبہ کے دونوں طرف صوفہ کے لوگ گھیرا ڈال کر گزرنے کا راستہ بند کر دیتے اور جب تک وہ خود نہ گزر لیتے دوسروں کو گزرنے نہیں دیتے تھے۔ بنو غوث بن مرہ کے بعد یہ اعزاز بنو تمیم کی ایک شاخ بنو سعد بن زید مناۃ کو حاصل ہوا۔ یوم النحر یعنی دس ذی الحجہ کی صبح کو افاضہ (مزدلفہ سے منیٰ تک لوگوں کو روانہ کرنے) کا منصب بنو عدوان کو حاصل تھا۔ نسی یعنی مخصوص سالوں میں قمری سال میں ایک اضافی مہینے کو بڑھانے اور یوں قمری مہینوں کو مؤخر کرنے کا اعزاز بنو کنانہ کی ایک شاخ بنو تمیم بن عدی کو حاصل تھا۔ مکہ مکرمہ پر بنو خزاعہ کی حکومت مشہور قول کے مطابق تین سو سال اور بعض مؤرخین کے خیال میں پانچ سو سال تک رہی۔ اسی دور میں ان کے ایک سردار عمرو بن لُحی نے حجاز میں بت پرستی کو فروغ دیا۔ تاریخی ماٰخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ قحطانی عربوں اور بنو اسماعیل کی شاخوں بنو قیدار اور نبطیوں میں بت پرستی پہلے بھی رائج تھی، چنانچہ نبطیوں نے مملکت انباط کے دارالحکومت پٹیرا میں ایک شاندار معبد تعمیر کیا تھا جس میں وہ اپنے معبودوں کی عبادت کرتے تھے لیکن ابھی تک کسی نے مکہ مکرمہ میں بیت اللہ (کعبہ) میں بت نصب کرنے اور ان کی عبادت پر لوگوں کو مائل کرنے کی جسارت نہیں کی تھی۔ عمرو بن لُحیّ پہلا شخص ہے جو اس بدترین گناہ کا مرتکب ہوا وہ خود بھی گمراہ ہوا اور دوسروں کو بھی اسی راستے پر ڈال دیا۔ یہ شخص بہت مالدار تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے بیس اونٹوں کی آنکھیں پھوڑی تھیں جو اس بات کی علامت تھی کہ وہ بیس ہزار اونٹوں کا مالک ہے، کیونکہ عربوں کا طریقہ یہ تھا کہ اگر کسی کے پاس ایک ہزار اونٹ ہو جاتے تو وہ ان اونٹوں کو بزعم خوشِ نظرِ بد سے بچانے کے لیے ایک اونٹ کی آنکھیں پھوڑ دیتا تھا۔ ابن ہشام کا قول ہے کہ عمرو بن لحی اپنے کسی کاروبار کے سلسلے میں شام گیا تو بلقاء کی سرزمین میں آب کے علاقے میں قوم عمالقہ کو بت پرستی کرتے پایا۔ عمالقہ کا نسبی تعلق سام بن نوح سے ہے۔ عمرو بن لحی کے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ ہم ان بتوں کی پوجا کر کے بارش مانگیں تو یہ بارش برساتے ہیں اور اپنی دیگر ضرورتوں میں بھی ہم ان سے مدد چاہیں تو وہ ہماری مدد کرتے ہیں۔ عمرو بن لحی کی خواہش پر انہوں نے ہبل نامی بت اسے دے دیا، جسے اس نے وہاں سے لا کر مکہ مکرمہ میں کعبہ کے قریب نصب کروایا اور لوگوں کو اس کی پوجا کی دعوت دی۔ چونکہ اس کا لوگوں میں بہت اثر ورسوخ تھا اس لئے وہ بت پرستی کی جانب مائل

ہوتے چلے گئے۔ ابن اسحاق کی رائے میں بنو اسماعیل میں بت پرستی کی جانب عیلان کا سبب یہ بھی تھا کہ مکہ کے لوگ جب معاشی تنگی اور دیگر مجبوریوں کی وجہ سے باہر حصول روزگار کے لیے جاتے تو حرم کی تعظیم میں وہاں کے پتھروں سے کچھ پتھر بھی اپنے ساتھ لے جاتے۔ اس کے بعد وہ جہاں قیام کرتے تو ان پتھروں کو وہاں رکھ کر ان کے گرد ایسے ہی طواف کرتے جیسے خانہ کعبہ کا طواف کیا جاتا ہے، پتھروں کی اس تعظیم نے بتدریج انہیں بت پرستی کی طرف مائل کر دیا۔

مکہ میں بنو خزاعہ کی حکومت کے دور میں عدنانی قبائل ادھر ادھر منتشر ہو گئے لیکن بنو کنانہ کی کچھ اور قریش کی سب ہی شاخیں مکہ مکرمہ کے اردگرد خیموں وغیرہ میں بدویانہ زندگی بسر کر رہی تھیں، یہاں تک کہ ان میں قُصی بن کلاب کا ظہور ہوا۔ کلاب کے انتقال پر قُصی کی ماں نے شام میں مقیم بنو قضاعہ کی شاخ بنو عذرہ کے ایک شخص ربیعہ بن حرام سے شادی کر لی۔ قُصی کا اصل نام زید اور قُصی اس کا لقب تھا کیونکہ وہ ابھی شیر خوار تھا کہ اس کی ماں فاطمہ بنت سعد ازدیہ اپنے دوسرے خاوند کے ہمراہ اسے مکہ سے دور ملک شام میں لے کر چلی گئی تھی۔ قُصی کے بڑے بھائی زہرہ بن کلاب کو اس کے چچاؤں تیم بن مرہ اور یقظہ بن مرہ نے مکے ہی میں روک لیا اور ماں کے ساتھ جانے نہ دیا۔ قصی جوان ہوا تو ایک مرتبہ بنو عذرہ کے ایک شخص کے ساتھ اس کا جھگڑا ہو گیا، جس نے اسے بنو عذرہ سے نسبی تعلق نہ رکھنے اور غریب الوطنی کا طعنہ دیا۔ قصی نے اپنی والدہ سے پوچھا تو اسے معلوم ہوا کہ اس کا نسبی رشتہ قریش سے ہے اور مکہ مکرمہ اس کا آبائی شہر ہے۔ ماں کی اجازت سے حج کے ایام میں قصی بنو عذرہ کے ہمراہ مکہ آیا۔ اس کا بھائی زہرہ نابینا ہو چکا تھا، اس نے اپنے بھائی کو چوم اور سونگھ کر پہچان لیا۔ خاندان کے دیگر افراد نے بھی اس کی آمد پر بھرپور مسرت کا اظہار کیا۔ قُصی نہایت قوی الجثہ اور خوبصورت نوجوان تھا۔ ذکاوت وفطانت اس کے چہرے سے ٹپکتی تھی۔ حُلَیل بن حبشیہ ان دنوں بنو خزاعہ کا سردار اور خانہ کعبہ کا متولی تھا۔ اس نے قُصی کی دل ربا شخصیت سے متاثر ہو کر اپنی بیٹی حُبّی کی اس سے شادی کر دی۔ یوں مکی حکومت کے انتظامی امور میں قصی کی دلچسپی بڑھ گئی اور اپنے خسر حُلیل کے انتقال پر خانہ کعبہ کی تولیت اس کے ہاتھ میں آ گئی۔ بنو خزاعہ کا خیال یہ ہے کہ جب حُلیل خزاعی کی بیٹی حبی سے قُصی کی اولاد پھلی پھولی تو ان کی کثرت تعداد اور وقار کے پیش نظر خود حُلیل نے ہی کلی ریاست کی سربراہی قُصی کے سپرد کرنے کی وصیت کر دی تھی۔ ابن اسحاق کا قول ہے کہ یہ بنو خزاعہ کا بیان ہے جبکہ دوسرے لوگ یہ کہتے ہیں کہ قُصی نے مکہ پر قبضہ اور خانہ کعبہ کی تولیت بزور شمشیر حاصل کی جس میں اس نے اپنے اخیافی (ماں کی جانب سے) بھائیوں سے مدد طلب کی جن کا سردار رزاح بن ربیعہ تھا۔ اس کے علاوہ اس نے بنو کنانہ، بنو قضاعہ اور مکے کے اردگرد آباد منتشر قرشی قبائل کی بھی

حمایت حاصل کی۔ قبل ازیں یہ مذکور ہو چکا ہے کہ ایام حج میں یوم النفر یعنی ۱۳ ذی الحج کو منیٰ میں جمرات کی رمی سب سے پہلے صوفہ کرتے تھے اور منیٰ سے جب لوگ کوچ کرتے تو اس کی واحد گزرگاہ عقبہ کو صوفہ بند کر دیتے تاکہ دوسرے لوگوں سے پہلے صوفہ کے قبیلے کے لوگ نکلیں۔ قُصی نے اپنے ساتھی قبائل کے ہمراہ انہیں للکارا اور انہیں ان کے منصب سے محروم کر دیا۔ اس پر بنوخزاعہ اور بنوبکر نے قصی اور اس کے حلیف قبائل کے ساتھ جنگ کا آغاز کر دیا۔ متواتر خونریز لڑائیوں کے بعد قریش نے بالآخر بنوکنانہ کے ایک شخص یعمر بن عوف کو حَکَم (فیصل) مقرر کیا۔ اس نے فیصلہ صادر کیا کہ مکہ مکرمہ اور خانہ کعبہ پر قریش کا حق فائق ہے۔ ان جنگوں میں بنوخزاعہ اور بنوبکر کے ہاتھوں قُصی کے مقتولین کی دیت (خون بہا) کی ادائیگی کے یہ دونوں قبیلے پابند ہوں گے۔ جبکہ قُصی اور اس کے حلیف قبائل کے ہاتھوں بنوخزاعہ اور بنوبکر کے مقتولین کے متعلق یعمر بن عوف کنانی نے اعلان کیا کہ اس خون کو میں اپنے پاؤں تلے روندتا ہوں۔ یعمر کا لقب اسی دن سے شدّرخ پڑ گیا جس کا معنیٰ ہے ''پاؤں تلے روندنے والا''۔ بنوخزاعہ کو مکہ مکرمہ کی حکومت اور کعبہ معظمہ کی ولایت سے بہرحال دست بردار ہونا پڑا۔ بقول ابن اسحاق قُصی نے مکہ کے اطراف سے قرشی قبائل کو جمع کر کے کچھ کو مکہ مکرمہ کے اندر اور کچھ قبائل کو مکہ سے ملحق علاقوں میں مستقل آباد کیا۔ مکہ کے اندر رہائش پذیر قبائل کو قریش البطائح اور اس کے نواح میں آباد قبائل کو قریش الظواہر کہا جاتا ہے۔ چونکہ قُصی نے منتشر قرشی قبائل کی شیرازہ بندی کر کے انہیں یکجا کیا اس لئے اسے مُجمع (اکٹھا کرنے والا) بھی کہا جاتا ہے۔ قُصی نے بعض مناصب پر بنوصفوان، بنوعدوان، بنومرہ بن عوف اور بنوکنانہ کے نُساۃ (رسم نسی کے ذریعہ قمری مہینوں میں بعض سالوں میں ایک ماہ کا اضافہ کرنے والوں) کو حسب سابق بحال رکھا، کیونکہ انہیں ان کے مناصب سے معزول کرنا قُصی کے خیال میں مذہبی لحاظ سے درست نہ تھا۔

قُصی نے مکہ کی زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لی تو لوگوں نے اسے اپنا نہایت محترم اور معزز رہنما اور سردار تسلیم کیا جس کے حکم سے کوئی سرتابی نہ کرتا تھا۔ اس نے مسجد حرام کے شمال میں ''دارالندوۃ'' کے نام سے ایک گھر تعمیر کیا جس کا دروازہ مسجد حرام کی طرف تھا۔ دارالندوۃ میں اہم امور کے مشورے اور باہمی جھگڑوں کے فیصلے ہوتے تھے۔ شادی بیاہ کی رسوم یہیں ادا کی جاتی تھیں۔ دیگر امور بھی یہیں طے کیے جاتے تھے۔ جنگوں کے لیے پرچم سازی بھی یہیں ہوتی تھی۔ یوں اس گھر کو قریش کے لیے پارلیمنٹ کی حیثیت حاصل تھی۔ قُصی نے درج ذیل مناصب اپنے ہاتھ میں ہی رکھے:

۱۔ دارالندوۃ کی صدارت ۲۔ لواء (جنگ کے لیے پرچم سازی) ۳۔ حجابت: خانہ کعبہ کی دیکھ بھال ۴۔ سقایہ (پانی پلانا)۔ مخصوص حوضوں میں حاجیوں کے لیے پانی بھر کر اسے کھجور اور کشمش کے ذریعے میٹھا

بنایا جاتا تھا۔ ۵۔ رفادہ: حاجیوں کی میزبانی، حاجیوں کی ضیافت پر اٹھنے والے مصارف کو پورا کرنے کے لیے قصی نے قریش مکہ کو پابند کر رکھا تھا کہ وہ ہر سال اسے ایک خاص رقم ادا کیا کریں۔ اس رقم سے ایام حج میں حاجیوں کو کھانا کھلایا جاتا تھا کیونکہ یہ حجاج بیت اللہ کے مہمان سمجھے جاتے تھے۔ ۶۔ ایقاد (آگ روشن کرنا): بقول واقدی قُصی پہلا شخص ہے جس نے عرفات سے آنے والے حاجیوں کی رہنمائی کے لیے مزدلفہ میں آگ روشن کرنے کا اہتمام کیا۔

قُصی نے اپنی آخری عمر میں مذکورہ بالا تمام مناصب اپنے بڑے بیٹے عبدالدار کے سپرد کر دیئے، کیونکہ عبدالدار کے دوسرے بھائی عبدمناف، عبدشمس اور عبد پہلے ہی قوت وشرف میں بلند مراتب حاصل کر چکے تھے۔ قصی کا مقصد یہ تھا کہ عبدالدار کو بھی اپنے بھائیوں کی طرح شہرت وعظمت حاصل ہو۔ چونکہ قصی کے حکم سے سرتابی اور اس کی رائے سے اختلاف کی کوئی جرأت نہ کرتا تھا اس لیے اس فیصلے سے اس وقت تو کوئی اضطراب اور بے چینی دیکھنے میں نہ آئی لیکن عبدالدّار کے بعد بنوقُصی میں شدید اختلاف پیدا ہوا۔ تمام قرشی قبائل دو حصوں میں بٹ گئے۔ ایک نے بنوعبدالدار کا اور دوسرے نے عبدمناف کا ساتھ دیا۔ بنوعبدمناف کا ساتھ دینے والوں نے اس سلسلے میں ایک طشت میں اپنے ہاتھ رکھ کر وفاداری کا حلف اٹھایا۔ اس طشت میں خوشبو ڈالی گئی تھی اس لیے اس حلف کو حلف المطیبین (خوشبو لگانے والوں کے حلف) کا نام دیا گیا۔ قریب تھا کہ بطونِ قریش میں خونریز جنگ چھڑ جائے لیکن بالآخر اس پر سب کا اتفاق ہوگیا کہ رفادہ اور سقایہ کے مناصب عبدمناف کے لیے مخصوص ہوں گے جبکہ حجابت، لواء اور ندوہ کے مناصب بنوعبدالدار کے لیے بحال رہیں گے۔ بنوعبدمناف میں رفادہ اور سقایہ کے مناصب قرعہ اندازی کے ذریعے ہاشم بن عبدمناف کو ملے۔ ہاشم کے بعد یہ ان کے بھائی مُطلب اور مُطلب کے بعد ان کے بھتیجے عبدالمطلب کو منتقل ہوئے، عبدالمطلب کے بعد یہ مناصب ان کے بیٹوں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچاؤں حضرت زبیر، حضرت ابو طالب اور حضرت عباسؓ کو بالترتیب حاصل ہوئے۔ حضرت ابو طالب نے تنگ دستی میں اپنے بھائی حضرت عباسؓ سے حاجیوں کی ضیافت اور دیگر ضروریات کے لیے دس ہزار درہم کا قرض لیا۔ اگلے سال پہلا قرضہ چکانے کی بجائے انہیں مزید رقم لینی پڑی اور اس کے عوض سقایہ کا منصب حضرت عباسؓ کو دے دیا۔ چنانچہ دور نبوی میں فتح مکہ کے موقع پر یہ منصب حضرت عباسؓ کے خاندان میں تھا۔

نظم ونسق میں مزید بہتری کے لیے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ متعلقہ مناصب کی تعداد بڑھائی جاتی رہی۔ بطون قریش میں ہر قبیلہ اپنے منصبی فرائض کی بجا آوری کو اپنے لئے اعزاز گردانتا تھا۔ بعثت

نبوی کے ایام میں بعض اہم مناصب کی تقسیم یوں تھی:

نمبر شمار	منصب	منصبی فرائض	متولی قبیلہ	متعلقہ افراد
۱	حجابہ اور سدانہ	بیت اللہ کی دیکھ بھال اور مسجد حرام کی خدمت، خانہ کعبہ کی کلید برداری	بنوعبدالدار	عثمانؓ بن طلحہ
۲	سِقایہ	حجاج کو زمزم کا پانی پلانا	بنوہاشم	عباسؓ بن عبدالمطلب
۳	رفادہ	حجاج، مسافروں، فقرا اور مساکین کو خوراک مہیا کرنا اور ان کی مالی اعانت	بنونوفل	وارث بن عامر
۴	عمارہ	مسجد حرام اور خانہ کعبہ کی حفاظت اور مرمت	بنوہاشم	عباسؓ بن عبدالمطلب
۵	تسغارہ	قبائل میں مراسلت اور خط وکتابت	بنوعدی	عمرؓ بن الخطاب
۶	شوریٰ	اہم معاملات میں باہم مشورہ	بنواسد بن عبدالعزیٰ	یزید بن زمعہ بن الاسود
۷	قبہ	لشکر گاہ کیلئے خیموں اور متعلقہ ضروریات کا انتظام	بنومخزوم	خالدؓ بن الولید
۸	اعِنہ	لڑائی اور گھڑ دوڑ کیلئے گھوڑوں اور سواروں کا انتظام	//	-
۹	لواء (عُقاب)	جنگ کیلئے علم برداری	بنوعبدالدار	غزوہ بدر میں نضر بن حارث
۱۰	ندوہ	دارلندوہ یعنی مشورہ گاہ کی دیکھ بھال	//	-
۱۱	اِشناق	قتل وغیرہ سنگین جرائم میں دیت، جرمانے اور تاوان کے فیصلے اور متعلقہ مظلوموں کی حق رسی	بنوتیم	ابوبکر صدیقؓ
۱۲	اموال مُحجرہ	بتوں پر چڑھاوے کے اموال اور نذرانے	بنوسہم	حارث بن قیس

۱۳	ایسا روا زلام	بتوں سے استخارہ اور فال نکالنا مثلاً اس وقت سفر کرنا مبارک ہے یا منحوس	بنو جمح	صفوانؓ بن امیہ

قرشی قبائل میں جس سردار کو شرف و نجابت، فیاضی و سخاوت، وقار و وجاہت وغیرہ کی بنا پر زیادہ شہرت و عظمت حاصل ہوتی اسے مکی ریاست کا سربراہ سمجھا جاتا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد حضرت عبدالمطلب کے بعد یہ حیثیت بدقسمتی سے عمرو بن ہشام (ابوجہل) کو حاصل ہوگئی۔ اس کا تعلق بنومخزوم سے تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد دولت و ثروت کے لحاظ سے زیادہ نمایاں نہیں تھے بلکہ درمیانے درجے پر تھے۔ بنومخزوم دولت و شہرت میں دوسروں سے بڑھ کر تھے۔ وہ مال و دولت کو ہی عظمت کا معیار سمجھتے تھے اور نہایت متکبر تھے اس لئے اسلام دشمنی میں پیش پیش رہے۔ ابوجہل کے بعد بنو امیہ کے ابوسفیان صخر بن حرب کو مکہ کا سردار تسلیم کیا گیا۔ فتح مکہ کے موقع پر قبولِ اسلام سے پہلے تک ابو سفیانؓ کو ہی یہ مرتبہ حاصل رہا۔ البتہ مکہ فتح ہونے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین کے لئے روانگی کے موقع پر یہاں حضرت عتابؓ بن اسید کو اپنا عامل مقرر فرمایا۔ اس طرح مکہ مکرمہ اور اس کے ملحقات مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کے زیر انتظام آ گئے۔ حضرت عتابؓ بن اسید کا تعلق بھی مکہ سے ہی تھا اور انہوں نے دیگر لوگوں کی طرح فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا تھا۔

ج۔ دیگر قبائلی سرداریاں اور مجموعی سیاسی حالت: (۸۴) عدنانی قبائل کی تعداد جب بڑھتی چلی گئی تو یہ قبائل اپنی معاشی ضروریات اور معاشی مجبوریوں کے تحت عرب کے مختلف اطراف میں پھیل گئے، چنانچہ قبیلہ عبدالقیس، بکر بن وائل کے متعدد بطون اور بنوتمیم کے خاندانوں نے بحرین کو اپنا مسکن بنایا۔ بنوحنیفہ بن صعب نے یمامہ اور اس کے مرکز حجر میں رہائش اختیار کر لی۔ بکر بن وائل کی دیگر شاخوں نے یمامہ سے لے کر بحرین، ساحل کاظمہ، خلیج، سوادِ عراق اور ابلّہ تک کے علاقوں کو اپنا مسکن بنایا۔ بنوتمیم نے بادیہ بصرہ میں اور بنوتغلب نے جزیرہ فراتیہ میں بود و باش اختیار کی۔ بنوتغلب کی بعض شاخوں نے بنوبکر کے ساتھ رہائش اختیار کی۔ بنوسلیم مدینہ منورہ کے قریب آباد ہوئے۔ ان کے رہائشی علاقے وادی القریٰ سے شروع ہو کر خیبر اور مدینہ کے مشرق سے گزرتے ہوئے حرہ بنوسُلیم کے قریب دو پہاڑوں تک پھیلے ہوئے تھے۔ بنوثقیف طائف میں آباد ہوئے اور بنوہوازن نے مکہ مکرمہ کے مشرق میں وادی اوطاس کے نواحی علاقوں میں سکونت اختیار کی۔ ان کے رہائشی علاقے مکہ اور بصرہ کی شاہراہ پر واقع تھے۔ بنواسد تیماء کے مشرق اور کوفہ کے مغرب میں آباد ہوئے۔ بنواسد کے علاقوں اور کوفے کے درمیان پانچ دن کی مسافت تھی۔ بنوذبیان تیماء کے قریب حوران کے نواح میں آباد ہوئے۔ تیماء میں بنوکنانہ کے

ذیلی قبائل رہ گئے تھے ان میں سے قرشی خاندانوں کی سکونت مکہ مکرمہ اور اس کے گردونواح میں تھی۔ یہ قبائل منتشر تھے جو بالآخر قُصی بن کلاب کے منظر عام پر آنے سے متحد ہوئے اور مکہ مکرمہ پر ان کی حکومت قائم ہوگئی۔ یوں شمالی عرب کے مختلف علاقوں میں عدنانی قبائل پھیلے ہوئے تھے۔ قحطانی قبائل کی کہلانی شاخ نے حالات سے مجبور ہوکر اپنا وطن یمن (جنوبی عرب) چھوڑا تو کچھ قبائل شمالی عرب میں آباد ہوگئے۔ مدینہ منورہ کے اوس وخزرج کا تعلق کہلانی شاخ کے ثعلبہ بن عمرو کی نسل سے ہے۔ کہلانی شاخ کا ایک نامور قبیلہ بنوخزاعہ ہے یہ پہلے مرالظہران میں مقیم ہوئے پھر انہوں نے مکہ مکرمہ سے بنوجرہم کو نکال کر اس پر قبضہ کرلیا۔ عدنانی قبائل میں سے قبیلہ قریش نے بالآخر قُصی بن کلاب کی سرپرستی میں بنوخزاعہ سے مکے کی حکومت تقریباً ۴۴۰عیسوی/۱۸۹قبل ہجرت میں چھینی۔

مذکورہ قبائل اپنے اپنے علاقوں میں خودمختار تھے۔ اگرچہ حیرہ کے اردگرد آباد قبائل کو حکومت حیرہ کے اور بادیہ شام میں آباد قبائل کو ملوک غسان کے تابع اور ماتحت خیال کیا جاتا تھا لیکن عملاً یہ بڑی حد تک آزاد تھے۔ عرب کے اندرونی علاقوں کے قبائل کی آزادی وخودمختاری تو بہرحال مسلم تھی۔ ان قبائل میں سرداری نظام رائج تھا۔ ہر قبیلے کا ایک سردار ہوا کرتا تھا جسے قبیلے والے مقرر کرتے تھے۔ قبائلی حکومتیں نسلی و علاقائی تحفظ، قبائلی وحدت وعصبیت اور دشمنوں کے خلاف عسکری دفاع جیسی مشترکہ ذمہ داریوں پر مبنی ہوا کرتی تھیں۔ قبیلے کے سردار کو حاکم اعلیٰ کی حیثیت حاصل تھی اور لوگ اسے اپنا بادشاہ تصور کرتے تھے۔ قبیلے کا ہر فرد اپنے سردار کے فیصلے کا پابند تھا اور اس سے سرتابی کی کسی کے لئے گنجائش نہ تھی۔ دوسرے قبائل سے صلح وجنگ کے معاملات میں سردار کا فیصلہ سب کے لئے حتمی تصور کیا جاتا تھا اور اس میں اس امر کا خیال نہیں رکھا جاتا تھا کہ یہ فیصلہ ظلم وتعدی پر مبنی ہے یا اس کی بنیاد عدل وانصاف کے مسلمہ تقاضوں پر ہے۔ قبیلے کے سردار کو کچھ امتیازی حقوق بھی حاصل تھے۔ مال غنیمت کا چوتھائی حصہ جسے مِرباع کہا جاتا تھا اس کا حق تسلیم کیا جاتا تھا۔ مال غنیمت میں سے وہ مال جسے تقسیم سے پہلے ہی سردار اپنے لئے چن لے، صفی کہلاتا تھا۔ شیطہ وہ مال تھا جو قبیلے تک پہنچنے سے پہلے ہی سردار کو مل جائے۔ جو مال تقسیم کے بعد بچ رہے اور جنگ میں شریک افرادِ قبیلہ پر مساوی تقسیم نہ ہوا سے فضول کہا جاتا تھا اور اس پر بھی قبیلے کے سردار کا حق تسلیم کیا جاتا تھا۔ مالِ غنیمت میں اکثر وبیشتر غلام اور لونڈیاں، بھیڑ بکریاں، اونٹ اور گھوڑے اور اسلحہ وغیرہ ہوا کرتا تھا اس کی تقسیم سردار کے ذریعہ ہوا کرتی تھی۔ ایک جاہلی شاعر نے سردار کے حقوق کو ایک شعر میں یوں بیان کیا ہے۔

لک المربا عُ فینا و الصفایا و حکمک والنشیطة والفضولُ

ہمارے درمیان تمہارے لئے مال غنیمت کا چوتھائی حصہ ہے اور منتخب مال ہے اور وہ مال ہے جس کا تم (اپنے لئے خود) فیصلہ کرو اور جو سرِ راہ تمہارے ہاتھ آجائے اور جو تقسیم سے بچ رہے۔

قبیلے کے سردار کو جہاں امتیازی حقوق اور وسیع اختیارات حاصل تھے وہیں اس کی اہم ذمہ داریاں بھی تھیں۔ سردار اپنے اموال اور دولت کو خرچ کرنے میں آزاد تھے لیکن قبیلے کے افراد ان سے بجا طور پر یہ توقع رکھتے تھے کہ سردار قبائلی عوام پر خوب مال خرچ کرے۔ مہمان نوازی میں اسے شہرت حاصل ہو۔ قبیلے کے باہمی جھگڑوں کے فیصلوں میں فہم و دانش اور عدل و انصاف کا مظاہرہ کرے۔ وفود کا استقبال اور ان کی ضروریات کا مناسب انتظام و اہتمام کرے۔ جنگوں میں لشکر کی کمان کرنا، قبیلے کے نادار لوگوں کی مالی اور اخلاقی مدد کرنا، مسافروں کی دیکھ بھال، مظلوم کی دستگیری، دیگر قبائل سے صلح و امن وغیرہ کے معاہدات، قبیلے کے معمر، تجربہ کار اور صاحبِ بصیرت افراد کے مشوروں سے استفادہ وغیرہ سب امور بھی قبیلے کے سردار کی انتظامی صلاحیتوں کے لئے امتحان اور آزمائش کی حیثیت رکھتے تھے۔ لوگوں کو سردار سے یہ توقع بھی ہوا کرتی تھی کہ اس کی عزت و وجاہت اور عسکری شجاعت مُسلّم ہو اور قبیلے کی عزت و حرمت کی حفاظت اور پاسداری کرے۔ شعراء کی نظر میں بھی وہ مقبول و معروف ہو اور دوسرے قبائل سے غیرت و حمیت اور شجاعت و عزیمت میں اس کی مسابقت نمایاں ہو۔ اس دور میں قبائلی شعراء اپنے قبیلے کی عوامی خواہشات اور قبیلے کے سردار کی عظمت کے ترجمان سمجھے جاتے تھے۔ قبیلے کے سردار کو سیّد یا شیخ کہا جاتا تھا اور کچھ لوگ اسے امیر اور بادشاہ بھی کہتے تھے۔ بدوی قبائل خانہ بدوش تھے جبکہ حضری قبائل شہروں اور ان کے گرد و نواح میں مستقل سکونت رکھتے تھے۔ قبائلی خاندانوں کے سرداروں میں سیاسی رسہ کشی بھی جاری رہتی تھی اس لئے عموماً قبیلے کے سردار کو اپنا مقام و مرتبہ بحال رکھنے کے لئے شجاعت و مروت اور کرم و سخاوت جیسے اوصاف میں نمایاں کارکردگی دکھانی پڑتی تھی چنانچہ سرداری کا منصب موروثی نہ تھا کہ باپ کے بعد بیٹا ہی لازماً سردار ہو۔ اگر سردار کا بیٹا ان اوصاف سے بہرہ مند نہ ہو تو سرداری سردار کے بھتیجے یا خاندان کے کسی اور فرد کو منتقل ہو جاتی تھی۔

ہر قبیلہ تین طبقات پر مشتمل تھا۔ پہلا طبقہ قبیلے کے آزاد افراد کا تھا جسے طبقۃ الاحرار کہا جاتا تھا ان کا باہم تعلق خون اور نسب کے مشترک ہونے کی بنا پر تھا۔ دوسرا طبقہ ان آزاد افراد پر مشتمل تھا جن کا قبیلے کے پہلے طبقے سے خونی یا نسبی رشتہ تو نہیں ہوتا تھا لیکن وہ حلف (قسمیہ عہد) یا پڑوس کی وجہ سے قبیلے کا حصہ سمجھے جاتے تھے۔ اسی طرح قبیلے کے آزاد کردہ غلام بھی اسی طبقے میں شامل سمجھے جاتے تھے اس دوسرے طبقے کو طبقۃ الموالی کہا جاتا تھا۔ اس طبقے کے افراد کو قبیلے کے غیر صریح اور پہلے طبقے کے افراد کو صریح قرار دیا جاتا

تھا۔تیسرے طبقے کو طبقۃ الارقاء کہاجاتا تھا یہ قبیلے کے وہ غلام اور لونڈیاں تھے جو جنگوں میں قیدی بنالئے جاتے تھے یا خرید وفروخت کے ذریعے انہیں دوسروں سے حاصل کیا جاتا تھا۔پہلے طبقے کو قبیلے کی ریڑھ کی ہڈی سمجھنا چاہئے اس طبقے کو دوسروں کی نسبت کہیں زیادہ حقوق حاصل تھے۔ساتھ ہی ان پر قبائلی ذمہ داریوں کا بوجھ بھی تھا۔سرداری نظام میں ان کی رائے اور مشورے کو احترام حاصل تھا۔اس طبقاتی نظام میں غلاموں اور لونڈیوں پر مشتمل تیسرے طبقے کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔انہیں انسانی حقوق حاصل نہ تھے۔ ان سے سخت محنت ومشقت کرائی جاتی تھی۔پہلے طبقے کے عیش وعشرت کے لئے یہ غلام اور لونڈیاں اپنی محنت شاقہ سے وسائل وذرائع مہیا کرنے کے پابند تھے۔ان کی محنت ومشقت کے ثمرات پہلے طبقے کی پُر تعیش زندگی کا بڑا ذریعہ تھے۔اسلام کا اس طبقے پر خاص احسان ہے کہ لوگوں کے اندر ان کے حقوق کا گہرا احساس پیدا کیا گیا۔ان کے لباس وخوراک اور دیگر مادی ضرورتوں کی تکمیل پر لوگ بخوشی آمادہ ہوئے۔ ان کو معاشرے میں عزت واحترام کی نظر سے دیکھا جانے لگا کیونکہ اسلام میں عزت کا معیار حسب ونسب، مال ودولت یا جاہ ومنصب نہیں بلکہ ایمان وتقویٰ ہے۔اسی معیار پر غلاموں اور لونڈیوں کو بھی پرکھا جانے لگا اور انہیں غلامی سے آزاد کرنے کی لوگوں کو ترغیب دی گئی۔کئی گناہوں اور جرائم کا کفارہ غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کرنا مقرر رہا۔جس کے نہایت مثبت اثرات مرتب ہوئے۔

قبیلے کے دوسرے طبقے کی حالت پہلے اور تیسرے طبقات کے درمیان تھی۔انہیں بھی کچھ حقوق حاصل تھے لیکن یہ پہلے طبقے کے مقابلے میں کمتر سمجھے جاتے تھے ان کی دیت بھی پہلے طبقے کے لوگوں یعنی صریح افراد کی دیت کا نصف ہوا کرتی تھی۔حقوق کے ساتھ ان پر بھی متعدد ذمہ داریاں تھیں۔

قبیلے کا ہر فرد اپنے قبیلے کے اجتماعی سلسلے سے پوری طرح مربوط اور منسلک ہوتا تھا۔کوئی شخص قبیلے کے اجتماعی فیصلے کو پس پشت نہیں ڈال سکتا تھا خواہ فیصلہ صحیح ہو یا غلط۔دور جاہلیت کے ایک مشہور شاعر درید بن الصمۃ کا شعر ہے۔:

وهـل انـا مـن غـزية اِن غـوَت غـويـتُ و اِن تر شُد غزية ارشُد

اور میں بھی قبیلہ غزیہ ہی سے ہوں اگر یہ قبیلہ غلط روی کرے تو میں بھی غلط راہ پر چلوں گا اور اگر راست روی سے کام لے تو میں بھی سیدھی راہ چلوں گا۔

ہر فرد اپنے قبیلے کے دیگر افراد کی مدد کرنے کا پابند تھا اس میں بھی صحیح وغلط میں امتیاز کا وہ قائل نہیں تھا۔اسی کو ایک شاعر نے یوں بیان کیا ہے:

لا يسئلون اخاهم حين يند بهم فـي الـنـائبات علىٰ ما قال بر هانا

وہ اپنے بھائی سے اس کے کسی قول پر دلیل اور ثبوت کا مطالبہ نہیں کرتے جب وہ انہیں مصائب میں مدد کے لئے پکارے۔

جزیرۃ العرب کے سرحدی علاقوں شام وعراق میں آباد قبائل اس دور کی دو طاقتور عالمی قوتوں روم و ایران کی مملکتوں کے کاسہ لیس تھے اگرچہ یہ قبائل عملاً آزاد تھے لیکن اپنی پڑوسی حکومتوں کے تمدن کی خوبیوں اور خامیوں سے ایک حد تک متاثر بھی تھے۔ اندرونِ عرب ان سرحدی قبائل کے پڑوس میں آباد قبائل اپنی ضرورتوں اور خواہشات کے پیش نظر کبھی عراقیوں اور کبھی شامیوں کے ساتھ مل جاتے تھے۔ جو قبائل ان سرحدی قبائل سے دور آباد تھے ان میں بھی باہم اتحاد نہیں تھا۔ قبائلی جھگڑے اور نسلی فسادات نے ان کے اتحاد کو پارہ پارہ کر رکھا تھا۔ کوئی مرکزی قوت ایسی نہ تھی جو ان قبائل کو متحد رکھ سکتی یا جس سے وہ مرعوب و خوفزدہ ہو کر باہم لڑائیوں اور کشت وخون میں نہ الجھتے۔ تاہم حجاز کی مکّی ریاست کو جملہ عرب قبائل میں عزت واحترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ اس کی بڑی وجہ بیت اللہ خانہ کعبہ کا تقدس تھا اور قریش مکہ اس کے متولّی اور سرپرست ہونے کی وجہ سے معزز ومحترم سمجھے جاتے تھے۔ مکے کی اس شہری ریاست کو یہ شرف بھی حاصل تھا کہ قریش مکہ خانہ کعبہ کا عمرہ اور حج کرنے والوں کے میزبان تھے۔ حاجیوں کو کھانا کھلانے، پانی پلانے اور انہیں دیگر سہولتیں مہیا کرنے کے لئے وہ ہمیشہ کمربستہ رہتے تھے اس طرح قبائل عرب میں انہیں مذہبی سیادت حاصل تھی، لیکن اس مکی ریاست کو ان عرب قبائل پر بہرحال اتنا اثر ورسوخ حاصل نہ تھا کہ وہ انہیں متحد رکھ سکتی اور ایک طاقتور مرکزی قوت کا کردار ادا کر پاتی۔

ایّام العرب: (۸۵) دور جاہلیت کے عرب قبائل معمولی وجوہات کی بناء پر باہم کشت وخون اور جنگ وجدال میں کود پڑتے تھے۔ یہ قبائلی جنگیں بعض اوقات طویل عرصے تک جاری رہتی تھیں۔ ان قبائلی لڑائیوں کو ایام العرب کہا جاتا ہے یہ سلسلہ ظہور اسلام بلکہ اس کے بعد بھی کچھ عرصے تک جاری رہا۔ ایام، یوم کی جمع ہے جس کے معنیٰ ''دن'' ہے لیکن ایام العرب کی اصطلاح میں یوم سے مراد مخصوص قبائلی جنگ لی جاتی ہے۔ اس کے لیے یوم کی بجائے حرب (جنگ) کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ ان ایام العرب کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے۔ ان ایام میں سے بعض مشہور جنگوں کا ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ **یوم بیضاء:** قحطانی قبائل کا اصل مسکن جنوبی عرب یعنی یمن تھا۔ جب یہاں سے کچھ قبائل ترکِ وطن پر مجبور ہوئے تو مذحج کا قبیلہ تیماء میں آکر آباد ہو گیا لیکن یہاں پہلے سے مقیم عدنانی قبائل نے انہیں قبول نہ کیا ان میں باہم چپقلش جاری رہی۔ بالآخر تقریباً چوتھی صدی عیسوی کے وسط میں ان میں خونریز جنگ ہوئی۔ عدنانی قبائل نے بنوعدوان کے سردار عامر بن ظرب کی زیر امارت بنو مذحج سے یہ

جنگ بیضاء کے مقام پر لڑی جس میں بنو مدرج کو شکست ہوئی۔

۲۔ یوم خزاز: شمالی عرب میں آباد عدنانی قبائل اگرچہ بہت بہادر تھے لیکن ان کی باہم نا اتفاقیوں نے یمن کے قحطانی قبائل کو یہ موقع فراہم کر رکھا تھا کہ وہ انھیں اپنے زیر تسلط رکھیں چنانچہ اندرون عرب حجاز ونجد میں عدنانی قبائل یمنیوں کے محکوم تھے۔ ان عدنانی قبائل کا تعلق مضر اور ربیعہ کی نسلوں سے تھا۔ قبیلہ ربیعہ بالخصوص ان یمنیوں کا باجگزار تھا۔ یمن پر قحطانی قبیلے آل حمیر کی حکومت تھی۔ آل حمیر عدنانی قبائل پر اپنے نائب مقرر کیا کرتے تھے۔ ان کا آخری نائب زہیر بن جناب کلبی تھا جو قبائل ربیعہ سے یمنی حکمرانوں کے لیے خراج وصول کرتا تھا۔ اس نے خراج کی وصولی میں نہایت سختی سے کام لیا۔ ایک مرتبہ قحط سالی کی وجہ سے یہ قبائل خراج ادا نہ کر سکے تو زہیر نے مزید تشدد شروع کر دیا۔ ان قبائل نے مجبوراً یمنی نائب زہیر کو قتل کرنے کی ناکام کوشش کی جس پر سیخ پا ہو کر زہیر نے انہیں قتل کرنا اور ان کی بستیوں کو تاخت وتاراج کرنا شروع کر دیا۔ بالآخران قبائل نے ربیعہ بن وائل کو اپنا سردار مقرر کر کے زُہیر کے خلاف جنگوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ابتدا میں یہ جنگ قبائل ربیعہ تک محدود رہی، مگر جب ربیعہ کے بعد اس کا بیٹا کُلیب بن ربیعہ سردار ہوا تو دیگر عدنانی قبائل بھی ان سے آملے۔ انہوں نے معرکۂ خزاز میں یمنیوں کو بری طرح شکست دی اور ان کی غلامی سے آزاد ہو گئے۔

۳۔ یوم صفقہ یا یوم مشقر: یہ جنگ ساتویں صدی عیسوی کے اوائل کی ہے۔ آل عدنان سے مُضری قبیلے کی ایک شاخ بنو تمیم نے یمن سے ایران جانے والے اس سامان کو لوٹ لیا جو یمن پر مقرر ایرانی عامل (گورنر) نے ایران روانہ کیا تھا۔ ایرانی حکومت نے بنو تمیم کو سزا دینے کے لئے بنو ربیعہ کے قبیلے بنو حنیفہ کے سردار ہوذہ بن علی سے مدد چاہی۔ ہوذہ بن علی کو ایرانی حکومت نے ایک جاگیر دے رکھی تھی، بنو تمیم ان دنوں قحط سالی سے دوچار تھے۔ بنو حنیفہ کے سردار نے بنو تمیم کو دعوت کے بہانے دھوکے سے بلایا۔ جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو انہیں دعوت کی غرض سے ایک قلعے میں لے جایا گیا۔ اس کے بعد قلعے کے دروازے بند کر کے ان سب کو قتل کر دیا گیا۔ جب یہ واقعہ پیش آیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ظہور ہو چکا تھا لیکن آپ نے ابھی مدینہ منورہ کی جانب ہجرت نہیں فرمائی تھی۔

۴۔ یوم بُسُوس: یہ خونریز جنگ بنو وائل کی دو شاخوں بنو بکر اور بنو تغلب میں کوئی چالیس سال تک جاری رہی۔ اس میں فریقین کے بڑے بڑے نامور افراد مارے گئے۔ اگلی نسل میں کہیں جا کر ان میں صلح ہوئی۔ اس جنگ کا سبب بنو تغلب کا سردار کُلیب بن ربیعہ بنا۔ اس نے عدنانی قبائل ربیعہ ومضر کو یمنی حکومت کی غلامی سے نجات دلائی تھی لیکن بعد میں اس کا رویہ نہایت آمرانہ ہو گیا۔ اس نے اپنے ہی لوگوں

کے برساتی تالابوں کو اپنے قبضے میں کرلیا اور چراگاہوں کو اپنے جانوروں کے لئے مخصوص کرلیا۔ جن گھاٹوں سے اس کے جانور پانی پیتے دوسروں کو وہاں اپنے جانوروں کو پانی پلانے کی اجازت نہ تھی۔ اس نے یہ اعلان بھی کر رکھا تھا کہ فلاں فلاں علاقے کے جنگلی جانوروں کو اس نے پناہ دے رکھی ہے، لہٰذا اس کی اجازت کے بغیر کوئی ان کا شکار نہ کرے اور اس کی آگ کے مقابلے میں کسی اور کو آگ جلانے کی بھی جسارت نہیں کرنی چاہئے۔ الغرض وہ نہایت مغرور اور متکبر تھا۔ ایک مرتبہ اس کے برادر نسبتی جساس بن مرہ کی خالہ بسوس کے ہاں ایک شخص مہمان ہوا۔ اس مہمان کی سراب نامی اونٹنی چرتے چرتے چراگاہ کے اس حصے میں چلی گئی جو کُلیب کے اونٹوں کے لئے مخصوص تھا۔ کُلیب کو اس کا علم ہوا تو اس نے تیر چلا کر اونٹنی کا تھن زخمی کر دیا۔ زخمی اونٹنی چیختی اور بلبلاتی ہوئی بھاگ کر اپنے مالک کے پاس پہنچی تو اس کی حالت دیکھ کر وہ خود بھی چلّانے لگا۔ اس صورت حال پر اس کی میزبان خاتون بسوس نے بھی چلّانا شروع کر دیا۔ وہ بار بار یہ کہہ رہی تھی، ہائے یہ میری کس قدر ذلت و رسوائی ہے! جساس اپنی خالہ کی اس توہین پر سخت مشتعل ہوا اور اس نے موقع پا کر کُلیب کو قتل کر ڈالا۔ کُلیب کا تعلق بنو تغلب سے اور جساس کا بنو بکر سے تھا۔ یہ دونوں قبائل باہم کشت وخوں میں الجھ گئے۔ کُلیب کے بھائی مہلہل نے اس جنگ میں بنو تغلب کو منظم و مستحکم کیا۔ وہ عربی زبان کا قدیم ترین شاعر ہے۔ اس نے بنو بکر پر لگاتار چھاپے مارے اور بالآخر انہی لڑائیوں میں خود بھی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ سالہا سال کے بعد ان دونوں قبائل میں صلح کے بعد جنگ ختم ہوئی۔

۵۔ حربِ داحس: یہ لڑائی قبیلہ مُضر کی دو شاخوں بنو عبس اور بنو ذبیان میں ہوئی۔ بنو عبس کے سردار قیس بن زہیر کے پاس داحس نام کا ایک گھوڑا تھا جبکہ بنو ذبیان کے دو رؤساء حذیفہ بن بدر اور حمل بن بدر کے پاس غبرا نامی ایک گھوڑی تھی۔ قیس بن زہیر اور حذیفہ بن بدر کے درمیان طے پایا کہ وہ داحس اور غبرا کے درمیان گھڑ دوڑ کا مقابلہ کریں گے۔ جیتنے والے فریق کو دوسرا فریق سو اونٹ دینے کا پابند ہوگا۔ اس کے لئے ایک میدان کا بھی انتخاب کرلیا گیا اور وقتِ مقررہ پر گھڑ دوڑ کا آغاز ہوا۔ بنو ذبیان کے مذکورہ رؤساء نے جو باہم بھائی تھے، خفیہ مقامات پر اپنے آدمی بٹھا رکھے تھے کہ وہ گھوڑے داحس کو آگے نکلنے سے کسی طریقے سے روکیں۔ چنانچہ انہوں نے اسے روکنے کے لئے ایک رکاوٹ کھڑی کر دی اور اس کے منہ پر مارا جس سے غبرا گھوڑی آگے نکل گئی۔ بنو عبس نے اس بے ایمانی پر احتجاج کرتے ہوئے اپنے مقابل کی جیت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور بنو ذبیان شرط کے سو اونٹ حاصل کرنے میں ناکام رہے۔ اس سے دونوں قبائل میں لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا جو حربِ داحس کے نام سے موسوم ہوئیں۔ عرب شعراء اپنی شعر و شاعری اور زبان آوری سے قبائل میں جنگ بھڑکانے میں کمال

رکھتے تھے۔ حربِ داحس کے معرکوں میں مشہور عرب شاعر عنترہ بن شدّاد عبسی کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔

۶۔ **حرب الفجار**: عرب معاشرے میں چار مہینوں رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم کو حُرمت والے مہینے یعنی اشہر حُرم قرار دیا جاتا تھا اور ان میں جنگ وجدال کو سخت معیوب اور بڑا گناہ تصور کیا جاتا تھا۔ حرب الفجار کی لڑائیاں سوئے اتفاق سے حرمت والے مہینوں میں ہوئیں اس لیے یہ حرب الفجار کے نام سے موسوم ہوئیں۔ یہ چار لڑائیاں ہیں جن کا سلسلہ یوں شروع ہوا کہ حیرہ کے لخمی رؤسا ہر سال حج کے موقع پر منعقد ہونے والے بڑے تجارتی میلے عکاظ میں اپنا سامان تجارت فروخت کے لیے بھیجتے تھے۔ اس سامان کی حفاظت اندرون عرب کے قبائل میں سے کوئی معزز سردار کرتا اور اپنی خدمات کے لیے بطور خفارہ (راہداری) معاوضہ وصول کرتا تھا۔ ایک سال اس سامان کو عکاظ تک بحفاظت پہنچانے کی ذمہ داری بنو کنانہ کے ایک شخص براض بن قیس نے اٹھائی۔ اس شخص کو اس کی شرارت اور نازیبا حرکات کی بنا پر اس کے قبیلے والوں نے اپنے قبیلے سے نکال دیا تھا۔ اس لیے ایک دوسرے قبیلے قیس عیلان کے سردار عروہ بن عتبہ کلابی نے براض کے تقرر کو سخت ناپسند کیا اور بھاگ دوڑ کر کے حیرہ کے لخمی حکمرانوں سے اس کا معاہدہ منسوخ کرا دیا اور سامان کو اپنی نگرانی اور حفاظت میں حیرہ سے عکاظ تک پہنچانا چاہا۔ براض بن قیس بھی اس کے پیچھے لگا رہا اور موقع پاتے ہی اس نے قیسِ عیلان کے سردار عروہ بن عتبہ کو قتل کر کے سارا سامان لوٹ لیا اور خیبر جا کر چھپ گیا۔ قریش کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ قیس عیلان کی جوابی کاروائی سے بچنے کے لیے عکاظ کے بازار سے نکل کر نہایت تیزی اور عجلت سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے تاکہ حرم میں پناہ حاصل کر کے انتقامی جنگ سے محفوظ رہیں، مگر قیس عیلان نے انہیں مکے سے باہر نخلہ کے مقام پر جالیا۔ وہاں جنگ ہوئی اس میں گو قیس کو جزوی کامیابی ہوئی لیکن قریش حدودِ حرم میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے دوسرے اور تیسرے سال بھی قریش اور کنانہ سے قیس عیلان کی لڑائی ہوئی اور اس کا آخری معرکہ چوتھے سال عکاظ کے مقام پر ہوا۔ قریش، کنانہ اور احابیش (قریش کے حلیف قبائل) کا سردار حرب بن امیہ تھا اور قیس عیلان کا سردار ابو براء عامر بن مالک تھا۔ اس جنگ میں قریش کو فتح حاصل ہوئی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس جنگ میں ایک حد تک یوں شریک ہوئے کہ آپ اپنے چچاؤں کو تیر اٹھا کر دیتے تھے۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک کوئی بیس برس تھی۔ اس کے بعد فریقین میں اس شرط پر صلح ہوئی کہ فریقین کے جو لوگ ان لڑائیوں میں مارے گئے ہیں ان کی گنتی کی جائے اور جس فریق کے مقتولین کی تعداد زیادہ ہو تو دوسرا فریق ان زائد مقتولین کی دیت ادا کرے۔ اس جنگ کے بعد بعض معزز رؤسا خصوصاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زبیر بن عبد المطلب کی تحریک پر ایسی خون ریز لڑائیوں کی آئندہ روک تھام کے

لئے حلف الفضول کے نام پر ایک معاہدہ طے پایا۔ اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہ نفس نفیس شریک ہوئے۔

۷۔ یوم بُعاث: مدینہ منورہ کا پرانا نام یثرب تھا اس کے قبائل اوس اور خزرج میں لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ اس سلسلے کی آخری لڑائی مدینہ سے قریب بعاث کے مقام پر ہوئی جو نہایت خون ریز اور تباہ کن ثابت ہوئی۔ اس میں فریقین کے بڑے بڑے رؤسا کام آئے۔ جانی اور مالی نقصان نے ان دونوں قبائل کے حوصلے پست کر دیئے۔ دونوں قبائل کا چونکہ تعلق ایک ہی نسل سے تھا اور یہودی قبائل ان کے پڑوس میں آباد تھے اس لیے انہیں بجا طور پر یہ خدشہ لاحق ہوا کہ وہ کہیں اپنی ان جنگوں کے باعث یہودیوں کے دست نگر اور محکوم نہ ہو جائیں۔ ان دونوں قبائل کی یہ خواہش تھی کہ وہ کسی ایسے شخص کی قیادت وسیادت پر متفق ہو جائیں جو انہیں از سر نو منظم و مستحکم کر سکے اور اب تک کے جو نقصانات ہو چکے ہیں ان کی تلافی ہو سکے۔ اوس اور خزرج کی اس لڑائی کے ایام میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہو چکی تھی اور نبوت کا نواں سال چل رہا تھا۔ دیگر عربوں کی طرح قبائل اوس وخزرج کے لوگ بھی ایام حج کے لئے مکہ آیا کرتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان اشہرِ حج میں عکاظ، ذوالمجاز اور مجنہ کے تجارتی میلوں میں لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے اور اللہ کا پیغام ان تک پہچانے کے مواقع کی تلاش میں رہتے تھے۔ اوس وخزرج کے لوگوں کا بھی آپ سے رابطہ ہوا تو انہیں یہ احساس ہوا کہ رسول اکرم ﷺ ہی ان کی از سرِ نو شیرازہ بندی کر سکتے ہیں اور دونوں قبائل آپ ﷺ کی نہ صرف دینی بلکہ سیاسی و معاشرتی سیادت وقیادت پر بھی متفق ہو سکتے ہیں۔ ادھر یہودی قبائل سے بھی وہ پیغمبرِ آخر الزماں کے متعلق سنتے رہتے تھے کہ ان کے ظہور کا زمانہ قریب ہے۔ یہی وہ حالات تھے جن میں اوس وخزرج قبولِ اسلام پر آمادہ ہوئے اور انہی قبائل کی دعوت پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مکہ میں مقیم آپ کے اصحاب نے مدینے کی جانب ہجرت فرمائی۔ اسلام قبول کرنے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین مکہ کی بے لوث خدمت ونصرت کرنے پر اللہ تعالیٰ نے اوس وخزرج کو انصار کا لقب مرحمت فرمایا۔ جنگ بُعاث سے اگرچہ اوس وخزرج کا غیر معمولی نقصان ہوا تھا لیکن بالآخر یہی جنگ ان کے لئے یوں نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی کہ اس سے وہ دین اسلام کو سچے دل سے قبول کرنے میں مسابقت پر آمادہ نظر آئے۔

عربوں پر بیرونی حملے

الف۔ جنگ ذی قار: (۸۶) جزیرۃ العرب کے اندرونی حصے اپنی جغرافیائی حیثیت اور

عربوں کی فطری حریت پسندی، شجاعت وحمیت، چھاپہ مار کارروائیوں خصوصاً دشمن پر شب خون مارنے میں ان کی مہارت کی وجہ سے بیرونی حملہ آوروں کے لئے کبھی بھی مرغوب اور پُرکشش نہیں رہے تھے۔ نیز اس کی بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ ان علاقوں کو فتح کر لینے پر ان پر قبضہ باقی رکھنے کے لئے جو فوجی اور انتظامی مصارف اٹھتے وہ وہاں سے حاصل ہونے والی آمدنی کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہوتے۔ تاہم رومی اور ایرانی حکومتیں اپنی سرحدوں پر مقیم عرب قبائل کی سرکشی اور بغاوت کو دبانے کے لئے کبھی کبھی چھوٹے پیمانے پر فوج کشی کرتی رہتی تھیں۔ ان سرحدی علاقوں میں قحطانی قبائل کی مستحکم اور متمدن حکومتیں موجود رہی تھیں لیکن روم وایران کی طاقتور حکومتوں سے ٹکر لینے کی ان میں ہمت وقوت نہ تھی اس لئے اندرونی طور پر بڑی حد تک آزاد ہونے کے باوجود یہ عرب حکومتیں ان کے زیر اثر رہتی تھیں۔ رومی اور ایرانی حکومتیں بھی انہیں اس لئے برداشت کرتی تھیں کہ وہ ان کے ذریعے اپنے حریفوں کے خلاف مدد حاصل کر سکتی تھیں اور سرکش عرب قبائل کو بھی ان کے ذریعے قابو میں رکھ سکتی تھیں۔ جس طرح شام میں عربوں کی غسانی حکومت رومیوں کے زیر اثر تھی اسی طرح عراق کے لخمی امراء ایرانی حکومت کے باج گزار تھے ان کا دارالحکومت حیرہ تھا۔ آخری لخمی حکمران نعمان بن منذر سے اس وقت کا ایرانی کسریٰ خسرو پرویز ناراض ہو گیا اور اسے حکومت سے معزول کر کے اپنے پاس بلا کر قید میں ڈال دیا، اور قید خانے میں ہی اس کا انتقال ہو گیا۔ نعمان بن منذر نے کسریٰ کے پاس جانے سے پہلے اپنا سامان اور ہتھیار بنو بکر کے سردار ہانی بن مسعود شیبانی کے پاس بطور امانت رکھوا دیئے تھے۔ خسرو پرویز نے یہ اسلحہ ہانی سے طلب کیا تو اس نے صاف انکار کر دیا، جس پر ایرانیوں نے چند چھوٹی موٹی فوجی کاروائیاں کیں جو بے اثر ثابت ہوئیں۔ اس پر خسرو پرویز نے بڑی فوجی کاروائی کا حکم دیا۔ اس نے ایک بڑا لشکر مقابلے کے لئے بھیجا جس کی کمان ایرانی جرنیل ہرمز کر رہا تھا۔ حیرہ پر ایرانی شہنشاہ نے نعمان بن منذر کی جگہ ایاس بن قبیصہ طائی کو کٹھ پتلی حکمران مقرر کیا تھا۔ یہ بھی ایرانی سپہ سالار ہرمز کی حمایت کر رہا تھا، لیکن عراق کی سرحد پر آباد بنو بکر کے قبائل نے مرعوب ہونے کی بجائے دشمن کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی۔ ذی قار کے مقام پر ایرانیوں اور عربوں کے درمیان شدید جنگ ہوئی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ عربوں نے اس جنگ میں ایرانیوں کو عبرتناک شکست دی اور انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ اس جنگ کی اطلاع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ میں ملی تو آپ نے عربوں کی اس شاندار کامیابی پر مسرت کا اظہار فرمایا۔ اگرچہ اس جنگ کے بعد بھی بنو بکر اور ایرانیوں میں سرحدی جھڑپوں کا سلسلہ جاری رہا لیکن حقیقت یہ ہے کہ جنگ ذی قار نے ایرانی بالادستی کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا اور عربوں سے یہ سرحدی چھیڑ چھاڑ ایرانیوں کو بہت مہنگی پڑی اور بالآخر خلفائے

راشدینؓ کے دور میں تو پورا ایران عربوں نے اپنے پاؤں تلے روند ڈالا اور یہ علاقے اسلامی مملکت میں شامل ہو گئے۔ ایرانی سطوت وشوکت اور اس کے حکمرانوں کا غرور وتکبر قصۂ پارینہ بن کر رہ گیا۔

ب۔ ابرہہ والیٔ یمن کا مکہ پر حملہ: (۸۷) یمن میں آل حمیر کا خاتمہ رومیوں نے اپنے ماتحت نجاشی شاہ حبشہ کے ذریعہ ۵۲۵ عیسوی جیولین ر۱۰۱ قبل ہجرت میں کیا۔ نجاشی نے دو جنگی جرنیلوں ارياط اور ابرہہ کو یمن لڑائی کے لیے بھیجا تھا۔ یمن کے حمیری حکمران ذونواس کو شکست فاش ہوئی۔ وہ وہاں سے بھاگ نکلا اور دریا میں غرق ہو کر مر گیا۔ یمن کے حکمران ذونواس پر رومی حکومت نے اس لیے حملہ کرایا تھا کہ اس نے اپنے علاقے کے عیسائیوں میں یہودیت کی جبری اشاعت کے لیے ان پر شدید مظالم کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا اس نے ۵۲۳ عیسوی جیولین ر۱۰۳ قبل ہجرت میں نجران کے تقریباً بیس ہزار حق پرست عیسائیوں کو خندقیں کھدوا کر ان میں زندہ جلا ڈالا تھا۔ اس سانحے کا ذکر قرآن کریم کی سورہ البروج میں ہے۔ رومی حکومت بھی مذہباً عیسائی تھی۔ قیصر روم نے نجران کے مظلوموں کا بدلہ لینے کے لیے نجاشی شاہ حبشہ کو یمن پر چڑھائی کا حکم دیا۔ یمن پر حبشی جرنیلوں ارياط اور ابرہہ کا قبضہ ہوا تو بعد میں ابرہہ نے ارياط کو قتل کر کے زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لی۔ نجاشی پہلے تو ابرہہ کی اس حرکت پر سخت غضب ناک ہوا لیکن بعد میں اس نے ابرہہ کو والیٔ یمن کے طور پر قبول کر لیا۔ نجاشی شاہ حبشہ اور اس کا ماتحت ابرہہ بھی عیسائی مذہب رکھتے تھے۔ عیسائیت کی نشر واشاعت اور اسے عوام میں مقبول بنانے کے جوش میں ابرہہ ہوش وحواس کھو بیٹھا اور اس کے دماغ میں یہ خناس سمایا کہ عربوں کو خانہ کعبہ کے حج سے روکنے کے لئے یمن میں اس کا متبادل تعمیر کیا جائے، چنانچہ اس نے یمن کے شہر صنعاء میں نہایت شاندار کنیسہ تعمیر کروایا۔ اسے سونے چاندی اور جواہرات سے مرصّع کیا۔ اس کی تعمیر میں اس نے لوگوں سے ظلماً محاصل وصول کئے اور لاتعداد لوگوں سے بلا معاوضہ بے گار پر کام کروایا۔ اس کی تعمیر کے بعد اس نے حکم جاری کیا کہ آئندہ کے لئے کوئی شخص مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ کا حج نہ کرے بلکہ لوگ حج اور عمرے کے لئے اس نو تعمیر شدہ کنیسہ کو کعبہ بنائیں اور اسی کو مقدس قرار دے کر طواف وزیارت کے لئے یہاں آیا کریں۔ اس دور کے عرب اگرچہ بت پرست ہو چکے تھے اور توحید کو بھول کر شرک کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے تاہم اپنے مورثِ اعلیٰ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بعض دینی شعائر اور کعبے کی عظمت وحرمت کا انہیں احساس تھا۔ ابرہہ کے مذکورہ اعلان پر قحطانی اور عدنانی عرب قبائل میں سخت اشتعال پھیل گیا۔ ان دنوں رسمِ نسی کو پورا کرنے کی ذمہ داری قبیلہ بنو کنانہ کے سپرد تھی۔ جزیرۃ العرب میں موجود یہودی قبائل سے متاثر ہو کر عربوں نے بھی معاشی محرکات کے تحت اپنی خالص قمری شمسی تقویم کو قمریہ تقویم میں بدل ڈالا تھا، گو مہینوں

محرم صفر وغیرہ کے نام عربی ہی تھے۔ عربوں کا حج اسی قمریہ شمسی تقویم کے تحت ہوا کرتا تھا۔ اس تقویم میں انیس سالوں کے ہر دور میں سات سال تیرہ مہینوں کے ہوا کرتے تھے تاکہ قمری مہینے خالص شمسی تقویم کے مہینوں کی طرح موسموں کے مطابق رہیں۔ اس تیرہویں مہینے کو کبیسہ (لیپ) کا اور نسی کا مہینہ کہا جاتا تھا۔ اس رسمِ نسی کو پورا کرنے کے لئے متعلقہ سالوں میں بنو کنانہ کا سردار جسے قلمس اور ناسی کہا جاتا تھا، حج کے بعد لوگوں میں اس تیرہویں مہینے کا اعلان کیا کرتا تھا۔ اسی قبیلے کے ایک فرد نے ابرہہ کے تعمیر کردہ کنیسے میں داخل ہو کر اسے گندگی سے آلودہ کر دیا اور بعض روایات کے مطابق ایک مسافر قبیلے نے اپنی ضرورت کے لئے اس کنیسے کے قریب آگ جلائی تھی جو کنیسہ تک پہنچ گئی اور عمارت کو شدید نقصان پہنچا۔ ابرہہ کو علم ہوا تو وہ شدید مشتعل ہوا اور اس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ مکہ مکرمہ پر حملہ کر کے خانہ کعبہ کو مسمار کر دیا جائے۔ اس مذموم مقصد کی تکمیل کے لئے اس نے نجاشی شاہ حبشہ سے اجازت طلب کی۔ نجاشی نے اپنا ایک خاص ہاتھی ابرہہ کی سواری کے لئے بھیج دیا اس ہاتھی کا نام محمود تھا یہ ہاتھی عظیم الشان اور بے مثل سمجھا جاتا تھا اس کے علاوہ مزید آٹھ اور بعض روایات کے مطابق بارہ ہاتھی بھی نجاشی نے بھجوائے، تاکہ کعبے کے انہدام میں انہیں استعمال کیا جا سکے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ بیت اللہ کے ستونوں میں مضبوط اور لمبی آہنی زنجیریں باندھ کر انہیں ہاتھیوں کے گلے میں ڈالا جائے اور ہاتھیوں کو ہنکایا جائے تو یہ عمارت (معاذ اللہ) زمین بوس ہو جائے گی۔ ابرہہ کے لشکر میں ہاتھیوں کی موجودگی کی وجہ سے اس لشکر کو اصحاب الفیل (ہاتھیوں والے) کہا جاتا ہے۔ اور ابرہہ کے اس حملے کو حرب الفیل کا نام دیا جاتا ہے۔ عربوں کو ابرہہ کے ان مزموم عزائم کا علم ہوا تو وہ سب مقابلے کے لئے تیار ہو گئے۔ یمنی قبائل کی قیادت ذونفر نامی ایک شخص نے کی اور ابرہہ سے جنگ کی لیکن عربوں کو ابرہہ کے تقریباً ساٹھ ہزار کے لشکر جرار کے مقابلے میں کامیابی نہ ہوئی اور ذونفر کو ابرہہ نے گرفتار کر لیا۔ اس کے بعد ابرہہ آگے بڑھا تو راستے میں قبیلہ خثعم کے سردار نفیل بن حبیب سے اس کا مقابلہ ہوا۔ نُفیل بھی شکست کھا کر گرفتار ہوا۔ ابرہہ نے اسے قتل کرنے کی بجائے اپنے ساتھ رکھا، تاکہ اس کے ذریعے راستوں کا پتہ چلتا رہے۔ جب وہ طائف کے علاقے میں پہنچا تو طائف کے قبیلے بنو ثقیف نے ابرہہ کا مقابلہ اس لئے نہ کیا کہ وہ اس سے پہلے عربوں کی ایسی ناکام کوششوں کا انجام دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے اپنے اندر مقابلے کی سکت نہ پاتے ہوئے ابرہہ سے درخواست کی کہ اگر ہمارے بت لات اور اس کے معبد کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے تو ہمیں کعبہ پر ابرہہ کی لشکر کشی پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ انہوں نے اپنے ایک سردار ابورُغال کو بھی راہنمائی اور مدد کے لئے ابرہہ کے ساتھ کر دیا۔ ابورغال کی رہنمائی میں ابرہہ اور اس کا لشکر مکہ مکرمہ سے قریب ایک مقام مغمس پر پہنچا تو ابورغال کی وہیں موت واقع ہو گئی۔

عربوں نے ابورغال کو اس غداری پر یہ سزا دی کہ وہ عرصہ دراز تک اس کی قبر پر سنگ باری کرتے رہے اور قبیلہ بنوثقیف بھی ہدفِ طعن بنا رہا۔ مقام مغمس پر قریش مکہ کے اونٹ چر رہے تھے ابرہہ کے سپاہیوں نے ان اونٹوں کو پکڑ لیا۔ ان میں دوسو اونٹ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد حضرت عبدالمطلب کے تھے۔ ابرہہ نے یہاں سے ایک سفیر حناط حمیری کو مکے میں بھیجا کہ وہ لوگوں کو بتادے کہ ابرہہ کا مقصد صرف بیت اللہ کو گرانا ہے اس لئے قریش اگر کوئی رکاوٹ نہ ڈالیں تو وہ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ حضرت عبدالمطلب ابرہہ کے پاس پہنچے۔ وہ آپ کی بارُعب اور پُرجلال شخصیت سے متاثر ہو کر اپنے تخت سے نیچے اتر کر بیٹھ گیا اور حضرت عبدالمطلب کو اپنے برابر بٹھالیا۔ ترجمان کی وساطت سے گفتگو کا آغاز ہوا تو ابرہہ کو اس پر شدید حیرت ہوئی کہ حضرت عبدالمطلب نے صرف اپنے دوسو اونٹوں کی واپسی کا مطالبہ کیا ہے اور کعبہ کا ذکر تک نہیں کیا۔ وہ بولا کہ میں پہلے پہل آپ سے بہت متاثر ہوا تھا لیکن اب میرے دل میں تمہاری ساری وقعت اس لئے جاتی رہی کہ تمہیں اونٹوں کی فکر تو لاحق ہوئی اور اس معمولی کام کے لئے آپ یہاں آئے لیکن کعبے کو گرانے کا جو بڑا کام میں کرنے آیا ہوں اس کی تمہیں کوئی پرواہ ہی نہیں۔ حضرت عبدالمطلب نے جواب میں فرمایا کہ اونٹ تو میرے ہیں اس لئے مجھے ان کی فکر ہے۔ رہا کعبہ تو وہ اللہ کا گھر ہے وہ جانے اور اس کا گھر جانے۔ ابرہہ نے کہا کہ تمہارا خدا اسے میرے ہاتھ سے نہیں بچا سکے گا۔ حضرت عبدالمطلب نے فرمایا پھر تم جو چاہو کر دیکھو۔ بعض روایات کے مطابق حضرت عبدالمطلب کے ہمراہ کچھ اور رؤسائے قریش بھی تھے انہوں نے ابرہہ کو یہ پیشکش کی کہ اگر تم خانہ کعبہ کو مسمار نہ کرو تو ہم تمہیں اپنے علاقے تہامہ کی پیداوار کا ایک تہائی حصہ بطور خراج ادا کرتے رہیں گے لیکن ابرہہ نے اسے قبول نہ کیا۔ حضرت عبدالمطلب اپنے اونٹ لے کر واپس ہوئے اور قریش کی ایک بڑی جماعت کے ہمراہ بیت اللہ کے دروازے کا حلقہ پکڑ کر نہایت عاجزی اور الحاح سے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ہم کمزور اور بے بس ہیں۔ ابرہہ کے مقابلے کی ہم میں طاقت نہیں اس لئے اس گھر کی حفاظت کا آپ ہی بندوبست فرمائیں۔ اس کے بعد آپ لوگوں کے ساتھ مکہ کے پہاڑ پر چلے گئے۔ ابرہہ اپنے لشکر سمیت مکہ مکرمہ پر حملہ آور ہونے کے لئے مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان وادی محسّر میں پہنچ گیا۔ علی الصبح اس نے بیت اللہ پر چڑھائی کے ارادے سے اپنے ہاتھی محمود کو آگے کیا۔ نُفیل بن حبیب جسے ابرہہ نے راستے میں شکست دے کر گرفتار کرلیا تھا، آگے بڑھا اور ہاتھی کا کان پکڑ کر کہا کہ تو جہاں سے آیا ہے وہیں واپس ہو جا، کیونکہ تو اللہ کے امن والے گھر میں ہے۔ ہاتھی فوراً نیچے بیٹھ گیا اور فیل بانوں کی پوری کوشش کے باوجود نہ اُٹھا۔ اسے بڑے بڑے آہنی ڈنڈوں اور تیروں سے ضربیں لگائی گئیں مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ اس کی ناک میں لوہے

کا آنکڑا ڈالا گیا لیکن یہ سب کچھ بے سود ثابت ہوا۔ جب لوگوں نے اسے یمن کی طرف اور دوسری اطراف میں چلایا تو وہ چل پڑا لیکن مکہ مکرمہ کی طرف چلانے لگتے تو بیٹھ جاتا۔ ابرہہ اور اس کے سپاہی اسی شش و پنج میں تھے کہ سمندر کی جانب سے اچانک پرندوں کے غول کے غول آتے دکھائی دیئے یہ پرندے عجیب طرح کے تھے جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے گئے تھے۔ جسامت میں یہ کبوتر سے کچھ چھوٹے اور ان کے پنجے سرخ تھے۔ ان کی چونچ اور پنجوں میں چنے یا مسور کے برابر ایک ایک کنکری تھی۔ یہ پرندے دیکھتے ہی دیکھتے پورے لشکر پر چھا گئے اور کنکریاں گرانے لگے جو لشکر کے لوگوں کے جسم کو چیرتی ہوئیں زمین میں گھس جاتے تھیں۔ اس غیبی عذاب الٰہی نے پورے لشکر کو حواس باختہ کر دیا اور اس کے سب آدمی ادھر ادھر اطراف میں بھاگنے لگے۔ ہاتھی بھی وہاں سے بھاگ نکلے صرف ایک ہاتھی بچا تھا جو کنکری سے ہلاک ہوا۔ لشکر کے لوگ کچھ تو وہیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح ڈھیر ہو گئے اور بہت سے راستے میں مر مر کر گرتے گئے۔ ابرہہ اس حال میں یمن پہنچا کہ اس کے جسم کا ایک ایک عضو گل سڑ کر نیچے گر رہا تھا۔ صنعاء پہنچتے پہنچتے وہ چوزے جیسا ہو گیا۔ اس کی انگلیاں جھڑ گئیں پھر اس کا سینہ پھٹ گیا اور دل باہر نکل پڑا اسی حالت میں وہ نہایت عبرت ناک اور رسوا کن موت مرا۔ ہاتھی محمود کے وہ ہاتھی بان یہیں مکہ میں رہ گئے تھے یہ دونوں معذور اور نابینا ہو گئے تھے اور لوگوں سے بھیک مانگا کرتے تھے۔ اصحاب الفیل کے اس واقعے کو قرآن کریم کی سورۃ الفیل میں نہایت مختصر مگر جامع انداز میں بیان کیا گیا ہے جو خوارق حضرات انبیائے علیہم السلام کے ہاتھ پر ظہور نبوت کے بعد ظاہر ہوں انہیں معجزات کہا جاتا ہے، اگر اس طرح کے واقعات ان کی ولادت یا بعثت سے پہلے ظہور پذیر ہوں تو انہیں ارہاصات سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ارہاص کا لغوی معنیٰ ''بنیاد'' کا ہے ایسے خوارق نبوت کے مبادی اور مقدمات یعنی نبوت کی ابتدائی علامات ہوتے ہیں اس لئے انہیں ارہاص کہا جاتا ہے۔ ابرہہ کے اس حملے کی تاریخ عربوں میں رائج اس دور کی قمریہ شمسی تقویم کے مطابق ۱۷ محرم تھی۔ دن اتوار تھا اور حملے کے اس سال کو عام الفیل کہا جانے لگا۔ چونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کا سال یہی ہے اس لئے اسے سالِ ولادت یا سالِ میلادی بھی کہا جاتا ہے۔ خالص قمری تقویم میں یہ تاریخ ۱۷ رجب تھی اس کے پچاس روز کے بعد ۸ ربیع الاول امیلادی قمریہ شمسی بروز سوموار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ مکہ مکرمہ میں ہوئی خالص قمری تقویم کے لحاظ سے یہ تاریخ ۸ رمضان المبارک امیلادی تھی، خالص قمری تقویم کے ربیع الاول سے اس دور کی قمریہ شمسی تقویم کے ربیع الاول سے سوائے نام کے مشترک ہونے کے دور دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ جیولین عیسوی تقویم میں ابرہہ کے حملے کی تاریخ ۱۵ ستمبر ۵۶۹ عیسوی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت با

سعادت کی تاریخ ۴ نومبر ۵۶۹ عیسوی جیولین ہے۔ ابرہہ اور اس کے لشکر کی اس خوف ناک تباہی کی خبریں اس دور کی متمدن دنیا کے اکثر علاقوں یعنی روم اور ایران میں تیزی سے پھیل گئیں۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ بخت نصر نے ۵۸۷ قبل مسیح / ۱۲۴۶ قبل ہجرت میں یروشلم (بیت المقدس) میں ہیکل سلیمانی کو شدید نقصان پہنچایا۔ اس کے بعد ۷۰ عیسوی میں رومی جرنیل طاطیس (TITUS) نے یروشلم پر حملہ کر کے ہیکل سلیمانی کو ایسا مسمار کیا کہ اس کی بنیادیں تک اکھاڑ ڈالیں اور ان کے صحیح محل وقوع کا آج تک علم نہیں ہو سکا ہے۔ اس وقت ہیکل سلیمانی کو بچانے کے لیے کوئی خارقِ عادت واقعہ پیش نہیں آیا۔ مشرکین مکہ اپنے کفر و شرک کی وجہ سے دین ابراہیمی سے دستکش ہو چکے تھے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے غیبی حفاظت کے اسباب پیدا فرمائے اور عیسائیوں کو اس پر مسلط نہیں ہونے دیا۔ مشرکینِ عرب شدید مصائب و تکالیف میں بتوں کو بھول جاتے تھے اور صرف اللہ ہی کو پکارتے تھے۔ واقعہ فیل کے بعد بھی کوئی سات سال تک قریش مکہ صرف اللہ تعالیٰ کو ہی پکارتے رہے۔ عربوں کو یقین ہو گیا تھا کہ بیت اللہ (کعبہ) پر کسی جھوٹے اور اللہ کے دشمن کا قبضہ نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب رمضان ۸ ہجری قمریہ شمسی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا مکہ پر مستقل قبضہ ہو گیا تو جلد ہی ۹ ہجری میں جزیرۃ العرب کے چاروں اطراف سے وفود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے لگے اور اسلام کی تیزی سے اشاعت ہوئی۔

دور جاہلیت کے عربوں کے دیگر احوال و کوائف: (الف) معاشرتی حالت: (۸۸)

عرب معاشرہ آبادی کے لحاظ سے بدوی اور حضری دو گروہوں میں بٹا ہوا تھا۔ بدوی کسی مستقل جگہ میں رہائش نہیں رکھتے تھے۔ ان کی معیشت کا دارومدار چونکہ گلہ بانی پر تھا اس لیے یہ لوگ پانی اور چارے کی تلاش میں ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتے رہتے تھے۔ یہ لوگ خانہ بدوش بدو تھے۔ ان کا قیام خیموں میں ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ جن مقامات کو وہ چھوڑتے تھے تو ان سے فراق کے صدمے کا اظہار عموماً اپنے اشعار میں کرتے تھے اور پرانی یادوں کو تازہ رکھتے تھے۔ جو لوگ مستقل آبادیوں اور شہروں میں قیام پذیر تھے انہیں ان بدویوں کے مقابلے میں حضری کہا جاتا ہے۔ جنوبی عرب اور یمن میں ایسی بستیاں اور آبادیاں بکثرت تھیں لیکن وسطی اور شمالی عرب میں ان کی تعداد کم تھی۔ دور جاہلیت کی عرب آبادی کا تقریباً پانچواں حصہ حضری تھا۔ حجاز میں مکہ، مدینہ اور طائف کے شہروں کے علاوہ خیبر، تیماء، وادی القریٰ اور فدک وغیرہ کے قصبوں میں حضری عرب آباد تھے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو کبھی ان مستقل آبادیوں میں قیام کرتے تھے اور کبھی اپنی مجبوریوں کے تحت بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے یہ نیم بدوی اور نیم حضری تھے۔

شہروں میں پختہ اور کچے دونوں طرح کے مکانات ہوتے تھے۔ مدینہ کے بعض مکانات کئی منزلہ تھے اور بعض مکانات قلعوں کی صورت کے بنائے جاتے تھے۔ یہ اُطم کہلاتے تھے اور رہائش کے علاوہ جنگی مقاصد کے لیے بھی استعمال ہوتے تھے۔ مدینہ، خیبر اور تیماء وغیرہ میں آباد یہودیوں نے اپنی حفاظت کے لیے بڑے بڑے مضبوط قلعے تعمیر کر رکھے تھے۔ بدوی لوگوں کے خیمے اون اور چمڑے کے ہوتے تھے۔ ان حضری اور بدوی عربوں کی معاشرت کے بعض نمایاں پہلو یہ ہیں:

۱۔ اپنے حسب ونسب کی حفاظت اور اس پر فخر: اپنے نسب کی حفاظت کا عربوں میں احساس نہایت گہرا تھا۔ اسی لیے وہ عجمیوں سے رشتے ناطے قائم نہیں کرتے تھے تاکہ ان کے عربی النسل ہونے کا وقار مجروح نہ ہونے پائے۔ خسرو پرویز کسرائے ایران نے حیرہ کے حکمران نعمان بن منذر سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ اپنی کسی لڑکی یا بہن کا نکاح کسریٰ یا اس کے کسی شہزادے سے کرے۔ اگرچہ حیرہ کی یہ حکومت ایرانیوں کی باجگزار اور ان کے ماتحت تھی لیکن نعمان بن منذر نے خسرو پرویز شاہ ایران کی اس خواہش کو پذیرائی نہ بخشی اور شاہی خاندان میں بھی رشتے ناطے قائم کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ کسریٰ نے اسے گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا اور اسی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا۔ عرب نہ صرف انسانی نسب کی حفاظت کرتے اور اسے یاد رکھتے تھے بلکہ اپنے عمدہ نسل کے اونٹوں اور گھوڑوں تک کے نسب کی بھی وہ حفاظت کرنے کا اہتمام کرتے تھے ان جانوروں کے وہ باقاعدہ نام بھی رکھتے تھے۔

۲۔ خطابت اور شعر وشاعری سے دلچسپی: عربوں کو اپنی زبان پر فخر تھا اسی لیے وہ غیر عربوں کو عجمی یعنی گونگے قرار دیتے تھے شعر وشاعری ان کی زندگی کا لازمی عنصر تھی ہر قبیلے میں متعدد نامور شاعر ہوا کرتے تھے جو اپنے اشعار میں قبائلی روایات اور تاریخ کو محفوظ رکھتے تھے۔ قبیلے کا شاعر اپنے قبیلے کا ترجمان اور اس کی عزت وحرمت اور شرف ونجابت کا محافظ اور نگہبان سمجھا جاتا تھا۔ یہ شعراء قومی جوش ابھارنے اور دوسرے حریف قبائل پر اپنے قبیلے کو اعلیٰ اور برتر ظاہر کرنے کے لیے خوب مبالغہ آرائی سے کام لیتے تھے۔ اشعار میں اپنی اصلی یا فرضی محبوبہ کی تعریف اور اس سے عشق ومحبت کا اظہار، شراب نوشی وغیرہ کا تذکرہ ایسے سب امور ان کے لیے فخر ومباہات کا ذریعہ تھے۔ اپنے قبیلے کی عظمت وشجاعت کو اشعار میں اجاگر کرنا، حریف قبائل کی ہجو کرنا اور انہیں عار دلانا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ ان کے جو اشعار ہم تک منتقل ہوئے ہیں ان سے اس دور کے عربوں کی معاشرت، قبائلی روایات اور ان کی اچھی اور بری رسوم و عادات کے متعلق وسیع معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ خطابت کا درجہ بھی شاعری سے کم نہ تھا۔ شعلہ بیان خطیب پر جوش انداز میں لوگوں کو گرما دیتے تھے اور ان میں ایسی جرأت اور ایسا حوصلہ پیدا کر دیتے تھے کہ

وہ زندگی کے نشیب وفراز میں کسی اضطراب اور گھبراہٹ کا شکار نہ ہوں۔ خطرات سے نڈر ہو کر دشمن کے مقابلے پر آمادہ ہوں اور موت کا خوف ان کے دلوں سے جاتا رہے۔ تاہم اس امر کے بھی یقینی شواہد ملتے ہیں کہ بنوامیہ اور اس کے بعد خصوصاً بنوعباس کے دور میں فرضی خطبات اور اشعار کو بھی دور جاہلیت اور دور نبوی کے لوگوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور ایسا کرنے محمد بن اسحاق جیسے اہل سیر ومغازی بھی مستثنیٰ نہیں ہیں (۲/۸۸) البتہ ان کا جو حصہ معتبر قرار دیا جاسکتا ہے اس سے بھی ہمیں قابل قدر معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

۳۔ عورت کا مقام: عرب معاشرے کے طبقہ اشراف میں خواتین کو نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ لوگ اپنے نسب میں جس طرح پدری سلسلے پر فخر کرتے تھے اسی طرح مادری سلسلہ بھی ان کے لیے اہمیت رکھتا تھا، چنانچہ بعض قبائل مادری سلسلے کی نسبت سے بھی مشہور ہوئے مثلاً مُضر کی ذیلی شاخیں قریش، کنانہ، ہذیل، اسد اور تمیم کو ماں کی نسبت سے بنوخندف کہا جاتا ہے۔ اہم امور میں عورتوں سے مشورے بھی لیے جاتے تھے۔ کثیر العیال خواتین کا زیادہ احترام کیا جاتا تھا۔ عورتیں مردوں کے ساتھ تجارت اور کاروبار میں بھی شریک ہوتی تھیں۔ مثلاً ام المومنین حضرت خدیجہؓ تجارت پیشہ خاتون تھیں۔ عرب اپنی خواتین کی عزت وحرمت کے معاملے میں بہت ہی غیور تھے۔ وہ قتل وخونریزی سے اجتناب نہیں کرتے تھے لیکن ایسا نہیں ہوتا تھا کہ کوئی شخص کسی کمزور عورت یا کسی خاتون کو سفر وغیرہ میں تنہا پا کر اس کی عزت و عصمت کو پامال کرے۔ اس طبقے کی خواتین جنگوں میں بھی حصہ لیتی تھیں اور مردوں کو دشمنوں کے مقابلے پر ابھارتی تھیں جیسا کہ غزوہ احد میں مشرکین مکہ کے ساتھ متعدد نامور خواتین بھی جنگ میں شریک ہوئی تھیں۔ اس طبقے کی خواتین زنا کو معیوب سمجھتی تھیں، مثلاً فتح مکہ کے موقع پر جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نومسلم خواتین سے بیعت لی تو بیعت کے کلمات کے اس حصے پر کہ وہ زنا نہیں کریں گی، ہند زوجہ ابو سفیان بول اٹھی کہ بھلا کوئی آزاد عورت بھی زنا کرسکتی ہے؟ عورت کے احترام کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ شعراء جب اپنی یا اپنے قبیلے کی مدح وتوصیف کرتے تو اشعار میں اکثر عورت ہی کو مخاطب کرتے۔ خواتین کے ناموس کی خاطر تلواریں بے نیام ہو جاتی تھیں۔ بعض اوقات عورت چاہتی تو قبائل کو صلح پر آمادہ کرسکتی تھی یا ان کے درمیان جنگ اور خونریزی کے شعلے بھڑکا سکتی تھی۔ اس طبقے میں مرد اور عورت کا تعلق نکاح کے ذریعے ہوتا تھا اور یہ نکاح عورت کے اولیاء کی سرپرستی میں منعقد ہوتا تھا۔ نکاح کے معاملے میں عورت کی مرضی بھی پوچھی جاسکتی تھی اور بعض اوقات عورت اپنے نکاح کا پیغام بھی مرد کو بھجوا سکتی تھی مثلاً ام المومنین حضرت خدیجہؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت ودیانت اور آپ کے گوناگوں اخلاق حمیدہ سے متاثر ہو کر آپ کو نکاح کا پیغام بھیجا تھا لیکن یہ نکاح بہر حال اولیا کی رضامندی سے ہی ہوا کرتا تھا

اور خاندان کا سربراہ مرد ہی کو سمجھا جاتا تھا۔ عورت کو یہ مقام طبقہ اشراف میں حاصل تھا۔ عرب کے لوگ مختلف طبقات میں بٹے ہوئے تھے اور ان کے حالات بھی ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ بدوی طبقے کی خواتین روزمرہ کے کام کاج میں مردوں کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔ مویشیوں کو چرانے، انہیں پانی پلانے، سوت اور اون کاتنے، کپڑے اور چادریں وغیرہ بننے میں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرتیں تھیں۔ اس طبقے کی خواتین شہری سہولتوں اور آسائشوں پر دیہی زندگی اور کھلی بدوی فضا کو ترجیح دیتی تھیں مثلاً حضرت امیر معاویہؓ کی بیوی میسون بنت بحدل ایک بدوی عورت تھی جس کے بطن سے یزید پیدا ہوا تھا لیکن اسے شاہی محلات کی زندگی اور عیش و آرام پسند نہ آیا۔ وہ اپنے سابقہ ماحول میں جانے کے لیے بے تاب تھی۔ اپنے اس شوق کا اظہار اس نے اپنے اشعار میں کیا۔ حضرت معاویہؓ نے اسے رخصت کر دیا اور عزت و احترام کے ساتھ اس کے اپنے پہلے گھرانے میں بھیج دیا۔

طبقہ اشراف کو چھوڑ کر دیگر طبقات میں مرد و عورت کے تعلق کی دوسری ناگفتہ بہ صورتیں بھی تھیں، حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت کے مطابق زمانہ جاہلیت میں نکاح کی چار صورتیں تھیں، ایک تو وہی تھی جو لوگوں میں آج بھی چل رہی ہے کہ ایک شخص دوسرے کو اس کی زیر ولایت خاتون سے نکاح کا پیغام بھیجتا عورت کا ولی راضی ہوتا تو پیغام بھیجنے والا عورت کو مہر دے کر اس سے نکاح کر لیتا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ جب عورت حیض سے پاک ہوتی تو اس کا خاوند اسے کہتا کہ فلاں شخص کے پاس پیغام بھیج کر اس کی شرم گاہ حاصل کرو (یعنی اس سے زنا کراؤ) اور اس دوسرے شخص سے حمل ظاہر ہونے تک خاوند خود اپنی بیوی سے الگ تھلگ رہتا۔ ایسا اس لیے کیا جاتا تھا کہ لڑکا شریف النسب ہو۔ اس نکاح کو نکاح استبضاع سے موسوم کیا جاتا تھا۔ یہی رسم ہندوؤں میں نیوگ کہلاتی ہے۔ نکاح کی تیسری صورت یہ تھی کہ دس مردوں سے کم کی ایک جماعت ایک ہی عورت سے اس کی رضامندی سے بدکاری کرتی۔ بچہ پیدا ہونے پر وہ سب مردوں کو اپنے ہاں بلا لیتی۔ آنے سے کوئی انکار نہیں کر سکتا تھا۔ ان کی آمد پر عورت یہ کہتی کہ تمہارا میرے ساتھ جو معاملہ تھا وہ تمہیں معلوم ہے۔ اب جو بچہ میرے بطن سے پیدا ہوا ہے وہ تم میں سے فلاں کا ہے۔ وہ عورت جس کا نام لیتی وہ بچہ اسی کا سمجھا جاتا تھا۔ نکاح کی چوتھی صورت یہ تھی کہ بہت سے مرد کسی فاحشہ عورت کے پاس جاتے تھے ایسی عورتیں اپنے دروازوں پر نشانی کے لیے جھنڈیاں گاڑے رکھتیں تھیں، تاکہ جوان کے پاس جانا چاہے، آزادی سے بلا خوف و خطر جا سکے۔ ایسی عورت سے جب بچہ پیدا ہوتا تو یہ سب مرد اس کے پاس جمع ہو کر قیافہ شناس کو بلاتے۔ وہ اپنی رائے سے اس بچہ کا تعلق جس سے جوڑ دیتا وہی اس کا باپ سمجھا جاتا تھا اور وہ اس سے انکار نہ کر سکتا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو

جاہلیت کے سارے نکاح ختم کر دیئے گئے صرف اسلامی نکاح باقی رہا جو آج رائج ہے مرد وعورت کے تعلق کی بعض اور صورتیں بھی تھیں جن کا ذکر بقول بعض علماء حضرت عائشہؓ نے نہیں فرمایا۔ ان میں سے ایک نکاحِ خِدن (پوشیدہ نکاح) ہے جو گواہوں کے بغیر کیا جاتا ہے اور اسے پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔ ایک صورت نکاحِ مُتعہ کی تھی کہ یہ نکاح ایک خاص مدت کے لئے ہوتا تھا اس کے بعد مرد وعورت الگ الگ ہو جاتے تھے۔ ایک صورت نکاحِ شِغار کی تھی کہ ایک شخص اپنی بیٹی دوسرے کے نکاح میں دے کر اس کے بدلے اس کی بیٹی سے خود نکاح کر لیتا تھا، اور ان خواتین کا کوئی مہر نہیں ہوتا تھا۔ ایک صورت نکاح بدل کی تھی کہ ایک شخص اپنی بیوی دوسرے کو دے کر اس کی بیوی اپنے لئے رکھ لیتا تھا۔ مرد وعورت کے تعلق کی ایک صورت یہ تھی کہ مفتوحہ قبیلے کی عورتوں کو لونڈیاں بنا لیتے۔ ان سے پیدا ہونے والی اولاد نسب کے لحاظ سے ذلیل و کمتر سمجھی جاتی تھی، اس لئے عمر بھر احساس کمتری کا شکار رہتی تھی۔ اسلام میں نکاح کی جتنی صورتیں بھی ناجائز تھیں ان سب سے لوگوں کو روک دیا گیا۔ اس زمانے میں کسی حد کے بغیر متعدد بیویاں رکھنے کا بھی عام رواج تھا۔ ایک مرد اپنے نکاح میں بیک وقت دس بلکہ اس سے بھی زیادہ عورتیں رکھ سکتا تھا، وہ عموماً ان کے درمیان انصاف سے کام نہیں لیتا تھا اور ان کے حقوق کو پامال کرتا تھا۔ اسلام میں ایک وقت میں چار عورتوں تک سے نکاح کی اجازت دی گئی، بشرطیکہ خاوند ان میں باہم انصاف سے کام لے ورنہ ایک ہی بیوی یا لونڈیوں پر اکتفا کرے۔ کبھی یہ لوگ بیک وقت ایسی دو عورتیں بھی رکھ لیتے جو آپس میں سگی بہنیں ہوتی تھیں۔ باپ فوت ہو جاتا تو بیٹا اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کر لیتا تھا۔ اگر کوئی شخص کسی کو اپنا مُتبنّٰی (منہ بولا بیٹا) بنا لیتا تو متبنّٰی کی بیوی سے نکاح ایسے ہی حرام سمجھا جاتا تھا جیسے بہو سے نکاح حرام ہوتا ہے۔ اسلام میں ان تمام خرابیوں کی اصلاح کی گئی۔ غلاموں اور لونڈیوں کا عام رواج تھا۔ زنا کاری کا بڑا سبب یہ لونڈیاں بھی تھیں۔ اسلام میں غلاموں اور لونڈیوں کے متعلق بھی شرعی احکام دیئے گئے، چونکہ دورِ نبوی بلکہ بعد کے ادوار میں بھی کوئی ایسا بین الاقوامی ادارہ نہیں تھا جس کے ذریعے اس مسئلے کا حل نکالا جاتا اور یک طرفہ طور پر اسے ختم نہیں کیا جا سکتا تھا اس لئے اصلاح کی صورت یہ پیدا کی گئی کہ غلاموں اور لونڈیوں پر ظلم نہ کیا جائے ان کی خوراک اور لباس کا خیال رکھا جائے ان سے شدید مشقت نہ کرائی جائے۔ انہیں ذلیل و حقیر نہ سمجھا جائے کہ معیارِ فضیلت کسی کا حسب نسب، جاہ و منصب، مال و دولت، آزاد یا غلام ہونا نہیں بلکہ ایمان و تقویٰ ہے۔ غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کرنے کی ترغیب دی گئی متعدد گناہوں کا کفارہ یہ قرار پایا کہ غلام کو آزاد کیا جائے۔ حکم دیا گیا کہ لونڈیوں سے بدکاری نہ کرائی جائے اگر لونڈی سے اس کے مالک کی اولاد پیدا ہو تو اسے امّ ولد قرار دیا گیا اور اس کی فروخت ممنوع ہو گئی۔ ان تمام اقدامات کے بہترین

نتائج مرتب ہوئے۔ بعد کے ادوار میں اگر اس معاملے میں افراط وتفریط ہوئی تو اس کی تعلیم نہ تو اسلام میں دی گئی اور نہ ہی اسلام پر اس کی ذمہ داری عائد کی جاسکتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دنیوی زندگی کے آخری لمحات میں وصیت فرمائی الصلوٰۃ الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم ''نماز کا اور اپنے زیر دست غلاموں اور لونڈیوں کا خیال رکھو''۔

الغرض دورِ جاہلیت میں زنا کاری کا بڑا سبب لونڈیاں تھیں۔ زنا کاری تمام طبقات میں عروج پر تھی البتہ طبقہ اشراف کی آزاد عورتیں اسے سخت معیوب سمجھتی تھیں اور عموماً اس سے اجتناب کرتی تھیں، کچھ افراد ایسے بھی تھے جنھیں اپنی بڑائی اور عزت کا احساس اس گناہ میں آلودہ ہونے سے بچاتا تھا۔ عام لوگ زنا کو معیوب سمجھتے تھے۔ اسلام میں زنا کو بدترین جرائم میں شمار کیا گیا۔ شادی شدہ آزاد مرد وعورت زنا کریں تو شرعی شہادتوں کے پورا ہونے یا ان کے اپنے اقرار پر ان کے لئے رجم (سنگساری) کی سزا مقرر کی گئی اور غیر شادی شدہ اس جرم کا ارتکاب کریں تو ان کے لئے کوڑوں کی سزا مقرر کی گئی۔ آزاد مرد وعورت کے لئے سو کوڑے اور غلام ولونڈی کے لئے پچاس کوڑے مقرر ہوئے اس سزا کو حدود میں شامل کیا گیا۔ تعزیرات کے برعکس یہ وہ سزائیں ہیں جن میں قاضی یا حاکم کو معاف کرنے یا سزا میں کمی بیشی کرنے کا حق نہیں دیا گیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الولد للفراش وللعاھر الحجر (۸۹) ''بچہ اسی کا ہوگا جس کی بیوی یا لونڈی ہو اور زنا کار کے لئے پتھر ہے''۔

طلاق کے بارے میں عرب خواتین پر ظلم کرتے تھے۔ بلاضرورت اور بلا سبب وہ بیویوں کو کئی کئی طلاقیں دے ڈالتے تھے۔ وہ جب چاہتے طلاق کے بعد رجوع کر لیتے اور کبھی بیوی کو معلق رکھتے کہ نہ تو اس سے رجوع کرتے اور نہ ہی کسی اور سے اسے نکاح کرنے دیتے۔ اسلام میں ان تمام خرابیوں کی اصلاح کی گئی۔ طلاق کے متعلق شرعی قواعد کا انہیں پابند کیا گیا۔ مرد کو یہ حق دیا گیا کہ وہ دو مرتبہ طلاق رجعی دے سکتا ہے اور ایسی طلاق میں بیوی کی عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر سکتا ہے اگر تین طلاقیں دی جائیں تو یہ مغلظ طلاق ہوگی اور ایسی مطلقہ سے پہلے خاوند کا نکاح تب ہی درست ہوگا جب وہ کسی اور سے نکاح کرے اور دوسرا خاوند اس سے ازدواجی تعلق کے بعد طلاق دے بیٹھا ہو یا فوت ہو گیا ہو تو عورت عدت پوری کرنے کے بعد پہلے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے۔

دورِ جاہلیت میں طلاق کی ایک صورت ظہار کی بھی تھی اگر خاوند اپنی بیوی سے کہتا کہ تو مجھ پر میری ماں کی کمر کی طرح ہے تو ایسی عورت خاوند پر ہمیشہ کے لئے حرام سمجھی جاتی تھیں۔ اسلام میں اس رسم کو ختم کر کے ظہار کا کفارہ مقرر کیا گیا کہ اگر کسی شخص نے بیوی سے ظہار کیا ہو اور تشبیہ خواہ ماں سے دی ہو یا کسی

بھی ایسی عورت سے جس سے نکاح ہمیشہ کے لئے حرام ہے تو ایسا شخص غلام یا لونڈی آزاد کرے یا لگاتار دو ماہ کے روزے رکھے یا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلائے۔

دورِ جاہلیت میں خواتین اور بچوں کو وراثت سے محروم رکھا جاتا تھا، وہ کہا کرتے تھے کہ مرنے والے کے چھوڑے ہوئے مال میں صرف مردوں کا ہی حق ہے جو جنگوں میں حصہ لے سکتے ہیں۔ اسلام آیا تو لوگوں کو شرعی قوانین وراثت کا پابند کیا گیا۔ دیگر ورثاء کی طرح ماں، بیٹی، بہن اور بیوی کی حیثیت سے عورتوں کو بھی وراثت میں شریک کیا گیا اور ان کے حصے متعین کئے گئے۔

۴۔ نوزائیدہ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا: بعض عرب قبائل بنو تمیم اور بنو اسد وغیرہ میں ایک نہایت ہی قبیح اور ظالمانہ رسم یہ بھی تھی کہ وہ فقر و فاقہ اور عار کے خوف سے اپنی نوزائیدہ بیٹیوں کو زمین میں زندہ دفن کر دیتے تھے۔ اس کا بڑا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک قبیلہ جب دوسرے قبیلے پر حملہ کرتا تو مغلوب قبیلے کی عورتوں کو لونڈیاں بنالیتا۔ ان میں شادی شدہ اور کنواری سب شامل ہوتی تھیں، جب بعد میں کبھی ان قبائل میں صلح ہوتی تو ان خواتین کو اختیار دیا جاتا کہ وہ اگر چاہیں تو اپنے قبیلے میں اپنے سابقہ خاوندوں کے پاس جاسکتی ہیں لیکن کچھ عورتیں اس پر راضی نہ ہوتیں اور فاتح قبیلے میں ہی رہنے کو ترجیح دیتیں۔ اس ذلت و رسوائی سے بچنے کے لئے نوزائیدہ بچیوں کو زندہ درگور کرنے کا بعض قبائل میں رواج ہوا لیکن سب عرب قبائل ایسا نہیں کرتے تھے اور کچھ نیک لوگ ایسے بھی تھے جو اس قبیح رسم کو ختم کرانے میں لگے رہتے تھے مثلاً زید بن عمرو بن نفیل نے زمانہ جاہلیت میں ہی بت پرستی چھوڑ دی تھی اور لوگوں سے ایسی لڑکیاں لے کر خود ان کی پرورش کرتے تھے جن کے متعلق انہیں یہ اندیشہ لاحق ہوتا کہ انہیں زندہ درگور کر دیا جائے گا۔ اسلام میں اس رسم کا سختی سے استیصال کیا گیا بیٹیوں کی تربیت اور پرورش کو عظیم نیکی قرار دیا گیا۔

۵۔ باہم خونریزی اور جنگ و جدال: دور جاہلیت میں عرب قبائل بسا اوقات معمولی وجوہات کی بنا پر خونریزی اور سفاکی پر اتر آتے تھے، مثلاً کوئی چالیس سال تک جاری رہنے والی طویل جنگ بسوس کا سبب صرف یہ تھا کہ بنو تغلب کے سردار کلیب بن ربیعہ نے بنو بکر کے ایک مہمان کی اونٹنی کو زخمی کر دیا تھا۔ اس جنگ میں فریقین کے نامور افراد کام آئے۔ حرب داحس کی وجہ صرف یہ تھی کہ گھڑ دوڑ پر بنو عبس اور بنو ذبیان میں جھگڑا پیدا ہو گیا تھا۔ بعض اوقات بدوی قبائل اچانک ایک دوسرے پر حملہ کر دیتے اور مفتوحہ قبیلے کے آزاد مردوں اور عورتوں کو قید کر کے انہیں غلام اور لونڈیاں بنا کر بیچ ڈالتے وہ مفتوحہ قبیلے کو اموال اونٹ، گھوڑے، بھیڑ بکریاں اور اسلحہ وغیرہ چھین لیتے تھے۔ اس مقصد کے لئے وہ عموماً چھاپہ مار کاروائیاں کرتے۔ مخالف قبائل پر شب خون مارنا معمول کی بات تھی۔ اسلام نے ان پرانی عداوتوں کو ختم

کر دیا اور ان قبائل کو اس طرح باہم شیر وشکر کیا اور امن وامان کی یہ صورت پیدا ہوئی کہ ایک عورت تن تنہا صنعاء سے حضر موت تک کا سفر بے خوف وخطر کر سکتی تھی اسے صرف اللہ کا ڈر تھا یا یہ خدشہ تھا کہ کہیں کوئی بھیڑیا اس کی بکریوں پر حملہ آور نہ ہو۔

۶۔ تعلیم وتعلّم: عربوں میں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت ہی کم تھا۔ انہیں امّی کہا جاتا تھا کہ جس طرح ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے اسی طرح رہتے تھے۔ لکھنا پڑھنا نہیں سیکھتے تھے۔ جہالت اور لاعلمی کی بنا پر وہ قدیم قبائلی روایات کی اندھی تقلید کرتے تھے۔ صحیح اور غلط، جائز وناجائز میں امتیاز کی فکر نہیں کرتے تھے۔ تاہم امّی ہونے کے باوجود شعر وشاعری اور فصاحت وبلاغت کے میدان کے شہسوار تھے اور نہایت ذہین وفطین تھے۔ ناخواندہ ہونے کی کی وجہ سے وہ اپنی یادداشت سے کام لینے کے عادی تھے اس لئے ان کا حافظہ غضب کا تھا۔ نامور شعرا کے اشعار، خطبا کے خطبات، سلسلۂ ہائے انساب ان کی نوکِ زبان پر ہوتے تھے۔ بہت قلیل تعداد میں کچھ لوگ لکھنا پڑھنا بھی جانتے تھے۔ علم نجوم میں ستاروں کی چال سے باخبر ہوتے تھے۔ جنگلوں اور صحراؤں میں ستاروں کی چال سے راستے معلوم کر لیتے تھے۔ ان میں سے بعض بہترین قیافہ شناس تھے جنھیں قائف کہا جاتا تھا۔ چہرے بشرے اور بعض دوسرے قرائن سے نسب پہچان لیتے تھے۔ قدموں کے نشانات سے کھوج لگانے کے بھی ماہر تھے۔ اور ایسے ہی دیگر آثار سے باتوں کی تہہ تک پہنچتے تھے ایسے لوگوں کو عائف کہا جاتا تھا۔ ان میں حارث بن کلدہ جیسے طبیب بھی تھے جو بیماریوں کا علاج کرتے تھے۔ ان کی طبابت ذاتی تجربات ومشاہدات یا آباؤ اجداد سے ملنے والی بعض معلومات پر مبنی ہوتی تھی۔ جانوروں کی آوازوں اور ان کی حرکات وسکنات وغیرہ سے حالات معلوم کرنے والوں اور غیبی خبریں بتانے والوں کو زاجر کہا جاتا تھا۔ کبھی کبھی غیبی آوازیں بھی ان کے اہم امور میں فیصلہ کن سمجھی جاتی تھیں غیبی آواز میں بولنے والا نظر نہیں آتا تھا۔ انہیں ہاتف کہا جاتا تھا۔ عام خیال یہ تھا کہ ہاتف جنات یا مُردوں کی ارواح ہیں۔ کہانت کا بھی رواج تھا جس کی مختلف اقسام تھیں۔ عربوں کے خیال میں کاہن وہ ہوتا تھا جسے جنّات آسمان کی باتیں بتاتے ہوں یا اس کے پاس ایسا جن اور مئوکل ہو جو اسے غیب کی خبریں بتائے۔ کبھی یہ کاہن علم نجوم کی بنا پر لوگوں کی غیبی خبریں بتاتے تھے۔ وہ لوگوں کو عموماً مستقبل کی غیبی خبریں بتاتے تھے۔ وہ ستاروں کی چال اور حالتوں (انواء) سے بارش وغیرہ کی پیش گوئی کیا کرتے تھے۔ عرافہ کا تعلق ماضی کی غیبی خبریں بتانے سے تھا اور ایسے شخص کو عرّاف یا عارف کہا جاتا تھا۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو زیر زمین پانی کی دستیابی کے متعلق مہارت کا دعویٰ کرتے تھے۔ لوگوں کی جہالت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں خوب بیوقوف بناتے تھے اس مقصد کے لیے مثلاً کاہن مقفّٰی ومسجّع عبارت کا

استعمال کرتے اس کا مقصد یہ تھا کہ ان کی پیشگوئی بالفرض پوری نہ ہو تو پرتکلف الفاظ کا ہیر پھیر لوگوں کو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم رکھے اور کاہنوں سے ان کی عقیدت کو بحال رکھے۔ یہ کاہن بت خانوں میں رہتے تھے اور غیبی خبریں بتاتے وقت اپنے اوپر عجیب ہیئت طاری کر لیتے تھے عورتیں بھی کاہنہ ہوتی تھیں۔ لوگ اپنے جھگڑوں کے لیے ان سے رجوع کرتے تھے وہ اپنے کاموں پر جو اجرت وصول کرتے تھے اسے حلوان الکاہن (کاہن کی مٹھائی) قرار دیا جاتا تھا۔ سوالات کے جوابات دینے کے انہوں نے عجیب وغریب طریقے وضع کر رکھے تھے، مثلاً کنکریاں اٹھا کر انہیں گنتے پھر رگڑ کر انہیں بجاتے اور بات کی تہہ تک پہنچنے کا دعویٰ کرتے۔ ریت اور زمین پر تیزی سے لکیریں کھینچتے پھر انہیں ایک ایک کر کے مٹاتے اسے رمل کہا جاتا تھا اس سے وہ سوالوں کے مطلوبہ جوابات پا لینے کا دعویٰ کرتے تھے۔ اسلام نے ان تمام خرابیوں کی اصلاح کی۔ لوگوں پر یہ بات واضح کر دی گئی کہ غیب کا یقینی علم صرف اللہ کو ہے، مثلاً قرآن کریم میں ہے

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ O (۹۰)

کہہ دیجیے کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جانتا اور انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کب اٹھا کھڑے کیے جائیں گے۔

اور مثلاً ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ ۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ O (۹۱)

بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے اور وہی بارش برساتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ (ماؤں کی) بچہ دانیوں میں ہے (مثلاً بچہ نیک ہوگا یا بدکار ہوگا) اور کوئی بھی (یقینی طور پر) نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی شخص (یقینی طور پر) نہیں جانتا کہ وہ کس علاقے میں مرے گا بے شک اللہ ہی جاننے والا باخبر ہے۔

۷۔ دور جاہلیت کا دو تقویمی التباس: متمدن اقوام روزمرہ کی زندگی کے اہم واقعات و حوادث کی زمنی ترتیب کو یاد رکھنے کے لیے ہفتے کے دنوں، مہینوں اور سالوں کو شمار میں لانے کے لیے کسی نہ کسی تقویم (کیلنڈر) کو استعمال میں لاتی ہیں۔ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی طرح امم سابقہ کی

شرعی و دینی مقاصد کے لیے تقویم قمری رہی ہے۔ عربوں کا چونکہ نسلی اور دینی رشتہ حضرت اسماعیلؑ اور ان کے والد ماجد حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ سے جاملتا ہے اس لیے ان کی تقویم بھی قمری تھی۔ بعد میں جب عربوں نے دین ابراہیمی میں محدثات اور بدعات کو رائج کیا تو انہوں نے اپنی خالص قمری تقویم کو قمریہ شمسی تقویم میں بدل ڈالا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حج کے مہینوں میں ان کے عکاظ، مجاز اور مجنہ کے بازاروں میں زبردست تجارتی میلے لگتے تھے ان میں زیادہ تر کھجوروں، بھیڑ بکریوں، اونٹوں اور گھوڑوں کی تجارت ہوتی تھی۔ وہ صنعت وحرفت میں دوسری اقوام سے پیچھے تھے، اس لیے زرعی اجناس اور مویشیوں کی تجارت پر ان کی معیشت کا زیادہ انحصار تھا، قمری سال چونکہ شمسی سال سے تقریباً گیارہ دن چھوٹا ہوتا ہے اس لیے اس کے مہینے موسموں کے مطابق نہیں رہتے۔ چنانچہ عربوں کا حج خالص قمری تقویم میں تقریباً ۳۳ سالوں میں گرما و سرما اور بہار و خزاں سب موسموں سے گزرتا تھا، اس سے ان کے تجارتی و معاشی مفادات کو نقصان پہنچتا تھا۔ اس سے بچنے کے لیے غالباً پانچویں صدی عیسوی کے اوائل میں عربوں نے یہودیوں سے کبیسہ کا طریقہ سیکھا۔ انیس سالوں میں تقریباً ہر تیسرے اور کبھی دوسرے سال کے بعد مہینوں میں ایک مہینہ اور بڑھا کر سات سال تیرہ تیرہ ماہ کے بنائے جاتے تھے اور بقیہ بارہ سال بارہ بارہ ماہ کے رہتے تھے۔ اس تیرہویں مہینے کو کبیسہ یعنی لیپ کا مہینہ کہا جاتا تھا اور یہ عمل اصطلاح میں نسی کہلاتا تھا، جس کے لغوی معنیٰ بڑھانے اور مؤخر کرنے کے ہیں۔ نسی کے اس عمل سے قمری مہینے اپنی اصل جگہ اور وقت سے مؤخر ہوتے رہتے تھے اور کوئی بتیس یا تینتیس سالوں کے بعد اصل مقام پر آتے تھے۔ یہودیوں کی اصل تقویم بھی ابتدا میں قمری ہی تھی۔ چوتھی صدی عیسوی میں انہوں نے اسے قمریہ شمسی تقویم میں بدل ڈالا۔ جو یہودی مذہبی رہنما نسی والے تیرہویں مہینے کا اضافہ کرتا تھا اسے ناسی کہا جاتا تھا۔ عربوں میں نسی کا یہ فریضہ قبیلہ بنو کنانہ کے سپرد تھا، جس شخص نے سب سے پہلے نسی کا مہینہ بڑھایا اسے قلمس کہا جاتا تھا بعد میں ہر ناسی کو قلمس کہا جانے لگا۔ قلمس کی جمع قلامسہ اور ناسی کی جمع نساۃ آتی ہے۔ نسی کا مہینہ ہر انیس سالہ دور میں تیسرے، چھٹے، آٹھویں، گیارہویں، چودھویں، سترہویں اور انیسویں سال میں ڈالا جاتا تھا۔ انیس سالہ دور علم ہیئت کی اصطلاح میں میطونی دور (Metoni Cycle) کہلاتا ہے کیونکہ ایک یونانی ماہر ہیئت میطون (Meton) نے دریافت کیا تھا کہ ۲۲۸ شمسی مہینوں یعنی انیس شمسی سالوں کی مدت معمولی فرق کے ساتھ ۲۳۵ قمری مہینوں کے برابر ہوتی ہے۔ یہودیوں کا پہلا مہینہ تشری ہے۔ عربوں نے اسی کے مقابل محرم کو رکھا۔ بعض قمری مہینوں کے نام موسموں کے مطابق رکھے گئے۔ قمریہ شمسی تقویم کا تشری اور اس کے مقابل عربوں کا محرم عیسوی تقویم کے ستمبر کے مقابل ہوا کرتا تھا اس لئے جمادی الاولیٰ اور جمادی

الاخریٰ کے مہینے جنوری اور فروری کے مقابل ہونے کی وجہ سے اس قمریہ شمسی تقویم میں موسم سرما کے مہینے تھے جن میں پانی سردی کی شدت سے جم جایا کرتا تھا۔ جمادی کا مادہ ''جمد'' اسی کو ظاہر کرتا ہے اس قمریہ شمسی تقویم میں رمضان کا مہینہ عیسوی مہینے مئی کے مقابل ہونے کی وجہ سے ہمیشہ موسم گرما میں آیا کرتا تھا، چنانچہ رمضان کا مادہ ''رمض'' اسی کی عکاسی کرتا ہے۔ اس تقویم میں رجب کا مہینہ عمرے کے لئے مخصوص تھا جسے عرب حج اصغر کہتے تھے اور قمریہ شمسی ذی الحجہ میں حج کو حجِ اکبر کہا جاتا تھا۔ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کو وہ بدترین گناہ سمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ رمضان ۸ ہجری میں فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین اور غزوہ طائف سے فارغ ہوکر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی قعدہ ۸ ہجری میں جو عمرہ فرمایا اسے نہایت مخفی رکھا، حتی کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسے جلیل القدر اصحاب کو بھی اس کا علم نہ ہوسکا کیونکہ یہ رات کی تاریکی میں کیا گیا تھا۔ رمضان اور ذی قعدہ ۸ ہجری کے یہ مہینے قمری تقویم کے نہیں بلکہ قمریہ شمسی تقویم کے تھے اور قریش مکہ نے حال ہی میں اسلام قبول کیا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم علانیہ عمرہ کرکے انہیں پریشان نہیں کرنا چاہتے تھے۔ چونکہ عربوں کے لئے عمرے (حج اصغر) اور حج اکبر کے مہینے قمریہ شمسی تقویم کے تھے اس لئے اہل مکہ کی یہی تقویم تھی اور پورے جزیرۃ العرب میں اسی کو رسمی تقویم کی حیثیت حاصل تھی۔ تاہم مدینہ منورہ کے لوگ یہودی قبائل کے پڑوس اور ان سے رقابت کی بنا پر اس قمریہ شمسی تقویم کو دل سے قبول نہ کرسکے گو عمرے اور حج کے لئے وہ بھی اسی کو ملحوظ رکھنے پر مجبور اور اس کے پابند تھے لیکن اپنے اندرونی معاملات میں وہ خالص قمری تقویم کو ہی استعمال کرتے تھے۔ خالص قمری تقویم میں رجب اور اس کے بعد ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم کے تین لگاتار مہینے اور رجب سمیت کل چار مہینے حرمت والے سمجھے جاتے تھے بعد میں جب ایسے قمریہ شمسی تقویم میں بدل ڈالا گیا تو اب یہ اشہرِ حُرُم (حرمت والے مہینے) قمریہ شمسی تقویم کے اعتبار سے ہی محسوب کئے جانے لگے۔ ان مہینوں میں جنگ وجدال کو سخت معیوب سمجھا جاتا تھا۔ عرب ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ حتی کہ ان مہینوں میں وہ اپنے باپ کے قاتل پر بھی ہاتھ نہیں ڈالتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین مکہ قمریہ شمسی تقویم کو مدینہ لے گئے تو یہ دونوں تقاویم وہاں چلتی رہیں چونکہ دونوں تقاویم میں مہینوں کے نام ایک ہی تھے لہٰذا اس دور میں عموماً اور بعد کے ادوار میں خصوصاً لوگ دو تقویمی التباس کا شکار ہوئے۔ اہل سیر ومغازی بھی اس سے باہر نہ نکل سکے۔ کچھ غزوات وسرایا کی توقیت قمریہ شمسی تقویم اور کچھ کی قمری تقویم اور بعض واقعات کی دونوں تقاویم میں ہوگئی۔ مثلاً غزوہ خیبر واقدی اور ابن سعد کے نزدیک جمادی الاولیٰ ۷ ہجری کا جبکہ ابن اسحاق، ابن ہشام اور ابن حبیب بغدادی وغیرہ کے نزدیک محرم ۷ ہجری کا واقعہ ہے۔ یہاں جمادی الاولیٰ ۷ ہجری دراصل خالص قمری

تقویم کا اور محرم ۷ ہجری قمریہ شمسی تقویم کا مہینہ ہے، کیونکہ جمادی الاولیٰ ۷ ہجری کے مقابل عیسوی تقویم کا مہینہ ستمبر ۶۲۸ عیسوی تھا اور اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ قمریہ شمسی محرم عیسوی مہینے ستمبر کے مقابل ہوا کرتا تھا۔ ہم ان تمام امور کو گزشتہ اقساط میں تفصیل سے زیر بحث لا کر بخوبی ثابت کر چکے ہیں۔ یہ قمریہ شمسی تقویم بالآخر حجۃ الوداع کے موقع پر ہمیشہ کے لئے منسوخ کر دی گئی اور آئندہ کے لئے خالص قمری تقویم کو ہی بحال رکھا گیا۔ اس دو تقویمی التباس سے دورِ حاضر تک پیچھا نہیں چھڑایا جا سکا۔ مثلاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا مشہور مہینہ ربیع الاول قمریہ شمسی تقویم کا تھا اور خالص قمری تقویم کا مہینہ ان دنوں رمضان المبارک کا چل رہا تھا۔ قمریہ شمسی ربیع الاول اور خالص قمری ربیع الاول کا سوائے نام کے مشترک ہونے کے زمنی اعتبار سے دور دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن دو تقویمی التباس کا ہی یہ اثر ہے کہ ربیع الاول کو تا حال مقدس مہینہ سمجھا جاتا ہے۔ زبیر بن بکار جیسے ماہر انساب اور ایام العرب کے مستند عالم نے ولادت مبارکہ کا مہینہ بجا طور پر رمضان المبارک بیان کیا تو دو تقویمی التباس کی بنا پر اسے قول شاذ قرار دے کر ناحق نظر انداز کر دیا گیا۔ ہم اس بات کو بھی قطعاً فراموش کر بیٹھے کہ ربیع الاول کی فضیلت میں کوئی صحیح حدیث تو درکنار کسی ضعیف بلکہ موضوع روایت کو بھی متعلقہ کتب میں جگہ نہیں مل سکی۔ بہار در بہار اور ربیع در ربیع کے ترانے تو ہمارے خود ساختہ ہیں جن کا حقیقت سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ حجۃ الوداع کے موقع پر قمریہ شمسی تقویم کی منسوخی کے بعد خالص قمری تقویم چل رہی تھی جس کے مطابق ربیع الاول ۱۱ ہجری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دار فانی سے دار البقاء کی جانب رحلت فرمائی جو جانثار صحابہ کرامؓ کے لیے نہایت ہی غم واندوہ کا مہینہ تھا۔ خالص قمری ربیع الاول کا مہینہ کبھی بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے اصحابؓ کے لیے دنیوی زندگی میں کسی بڑی خوشی ومسرت کا مہینہ نہیں رہا۔ ہجرت کا مہینہ ربیع الاول بھی قمریہ شمسی تقویم کا تھا اور اس کے مقابل خالص قمری تقویم کا مہینہ ربیع الاول کا نہیں بلکہ جمادی الاولیٰ کا چل رہا تھا۔

اس دو تقویمی التباس کے علاوہ ایک اور التباس سالوں کے شمار میں ہوا۔ عرب قمری اور قمریہ شمسی مہینے تو استعمال میں لاتے تھے لیکن ان کے پاس کوئی ایسی متفق علیہ بنیاد نہیں تھی جس سے وہ سالوں کو شمار میں لائیں۔ جس کی نظر میں جو واقعہ یا حادثہ اہم ہوتا اسی سے وہ سالوں کو شمار کرتا۔ ابرہہ کا مکے پر ناکام حملہ ایک بہت بڑا واقعہ تھا اس لیے کچھ لوگوں نے اسی سے سالوں کو شمار کیا اور اس سال کو عام الفیل قرار دیا، لیکن پھر بھی اسے باقاعدہ سن کی حیثیت حاصل نہ ہوئی اسی افراتفری اور ذہنی انتشار کا یہ نتیجہ ہوا کہ مکی دور کے اہم واقعات کی توقیت میں خصوصاً سالوں کے شمار میں شدید اختلاف رونما ہوا۔ مثلاً مشہور ترین قول

کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عام الفیل میں ابرہہ کے حملے کے پچاس دن بعد پیدا ہوئے تھے لیکن آپ کو اس طرح کے اقوال بھی ملیں گے کہ ابرہہ کا حملہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ سے دس سال پہلے، ۲۳ سال پہلے، ۳۰ سال پہلے ہوا تھا یا مثلاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر کے متعلق ۲۵، ۳۵، ۴۰ اور ۴۵ سال کے اقوال ہیں۔ (۹۲)

ہجرت مدینہ کے بعد مدنی دور میں منظم اسلامی ریاست وجود پذیر ہوئی تو اسلامی تقویم میں سال کا آغاز ہجرت کے سال سے ہوا لیکن چونکہ مدنی دور میں بھی حجۃ الوداع کے موقع تک قمریہ شمسی اور قمری دونوں تقاویم چلتی رہیں لہٰذا دو تقویمی التباس پھر بھی باقی رہا۔ اللہ تعالیٰ کے بے حد وحساب فضل وکرم سے ہم نے سیرت نبوی ﷺ کے اس توقیتی مطالعے میں تمام واقعات وحوادث کو صحیح زمنی ترتیب میں پیش کر دیا ہے اور قمریہ شمسی، قمری اور عیسوی تقویم کے تقابل سے دو تقویمی التباس کو ختم کر دیا ہے۔ اور اس دو تقویمی التباس کے بعض مابعد اثرات سے بھی امت مسلمہ کو باخبر کر دیا ہے۔

ب۔ معاشی حالت: (۹۳) جیسا کہ قبل ازیں مذکور ہو چکا ہے۔ عرب آبادی کے اعتبار سے دو بڑے طبقوں میں بٹے ہوئے تھے۔ شہروں اور قصبوں میں رہنے والے حضری اور ریگستانی اور پہاڑی علاقوں کی کھلی فضا میں خیموں میں رہنے والے خانہ بدوش بدوی اور اعراب کہلاتے ہیں۔ ان عربوں کی معیشت کے بڑے ذرائع یہ تھے:

ا۔ گلہ بانی: سب عربوں کا عموماً اور بدویوں یا بدوؤں کا خصوصاً سب سے بڑا اور اہم پیشہ گلہ بانی تھا۔ ان کے خاص پالتو جانور اونٹ، گھوڑے، گدھے، خچر، گائے اور بھیڑ بکریاں تھے۔ دیگر اموال تجارت کے ساتھ ان کی تجارت کا یہی مویشی بڑا حصہ تھے۔ ان جانوروں کا گوشت اور دودھ ان کے لیے خوراک کا سب سے بڑا ذریعہ تھا۔ ان کے چمڑے، بالوں اور اون سے وہ اپنا لباس اور رہائشی خیمے وغیرہ تیار کرتے تھے۔ مویشیوں کے لیے چارے پانی کی تلاش میں بدو نقل مکانی کرتے رہتے تھے۔ بہت سے حضری عرب بھی گلہ بانی سے وابستہ تھے اور مویشیوں کے چرانے کے لیے ان کی مخصوص چراگاہیں ہوا کرتی تھیں۔ حضری عرب بذات خود یا دوسروں کو معاوضہ دے کر اپنے مویشی چراتے تھے۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اوائل عمر میں بکریاں چرائیں۔ اسی طرح حضرت عمرؓ بن خطاب اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود وغیرہ جلیل القدر اصحاب بھی اس کام سے وابستہ رہے تھے۔ اونٹوں اور گھوڑوں کو عام سواری کے علاوہ جنگی مقاصد کے لیے بھی استعمال کیا جاتا تھا اس لیے عربوں کے لیے یہ بڑی دولت سمجھے جاتے تھے اور ان کی حفاظت ودیکھ بھال کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ جب ابرہہ کی فوج کے لوگوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم کے جد امجد حضرت عبدالمطلب کے دوسو اونٹ پکڑ لیے تو آپ انہیں ابرہہ سے واپس لینے کے لیے خود وہاں تشریف لے گئے اور ابرہہ سے گفت وشنید کے بعد انہیں واپس لے آئے۔ سواری، گھڑ دوڑ، اونٹ دوڑ اور جنگ کے لیے مختص گھوڑوں اور اونٹوں کے نام بھی رکھے جاتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اونٹنی کا نام قصواء تھا۔ اچھی نسل کے گھوڑوں اور اونٹوں سے عربوں کی محبت کا یہ عالم تھا کہ وہ ان کے نام رکھتے اور ان کے نسب ناموں کو بھی انسانی انساب کی طرح محفوظ رکھتے تھے۔

۲۔ تجارت: حضری عربوں کی آمدنی کا دوسرا بڑا ذریعہ تجارت تھا۔ جنوبی عرب یعنی یمن نے برّی اور بحری تجارت میں بڑی ترقی کی۔ ان کے تجارتی روابط دنیا کی دوسری اقوام سے بھی تھے۔ یہ تاجر اپنے علاقے سے تجارتی اموال خصوصاً بخورات (خوشبودار مصالحے) بیرونی ممالک تک لے جاتے اور ان ملکوں کی زرعی اجناس اور دیگر مصنوعات اپنے ملک میں لاتے۔ برّی راستے سے ان کی تجارت مصر، شام، عراق، روم اور ایران سے ہوتی تھی اور بحری تجارت کے سلسلے میں ان کے سمندری بیڑے افریقہ اور جنوبی ہند سے ہوتے ہوئے چین کے ساحلوں تک جا پہنچتے تھے۔ افریقی ممالک حبشہ، سوڈان اور صومالیہ وغیرہ اور ہندوستان کے متعدد ساحلی علاقوں کے علاوہ جاوا اور سماٹرا تک سے ان کے تجارتی روابط تھے۔ ان علاقوں سے جو سامان لایا جاتا تھا اس میں ہندی تلواریں بہت مقبول تھیں۔ زرعی پیداوار میں خوشبودار مصالحوں کی تجارت بھی عام تھی ہندوستانی مصالحوں کے ناموں کو عربوں نے اپنی زبان میں ڈھال لیا تھا یعنی مُعرَّب کر لیا تھا، مثلاً لونگ یا کرن پھول کو قرنفل، تری پھل (ہرڑ، بہیڑہ اور آملہ) کو اطریفل، پپلی کو قلفل، کپور کو کافور، چندن کو صندل کہا جاتا تھا۔ ایسے ہی بعض مفرد ادویہ کے ساتھ ''ہندی'' کا لاحقہ لگاتے تھے، مثلاً کٹ یا کٹھ کو قسط ہندی، اگر کو عود ہندی، املی کو تمر ہندی کہا جاتا تھا۔ تجارتی قافلے بخورات، عطریات، عنبر، مشک، صمغ عربی (گوند)، لوبان، کھجور اور چھوہارے، کشمش، عاج، آبنوس و جواہرات، چمڑے کی مصنوعات، یمنی چادریں و دیگر ملبوسات، ریشمی کپڑے اور ہتھیار وغیرہ لے کر شام اور اس کے ملحقہ علاقوں میں جاتے۔ واپسی پر گندم و دیگر زرعی اجناس، شامی ملبوسات، روغن زیتون، شراب اور ہتھیار وغیرہ لاتے تھے۔ عربوں کے ہاں تجارت کو فروغ دینے کے لئے تجارتی میلوں کا بھی بڑا رواج تھا۔ بقول امام مرزوقی پورے ملک میں تیرہ بڑے بڑے مقامات پر یہ میلے لگتے تھے جن کا سلسلہ شام کی سرحد پر واقع قدیم شہر دومۃ الجندل سے شروع ہو کر عرب کے جنوبی حصے کے شہر عدن تک جا پہنچتا تھا۔ ان میلوں میں غیر ملکی تاجر بھی اپنا سامان لاتے تھے۔ شام، عراق، افریقہ، ہندوستان اور چین تک کا سامان تجارت ان میلوں میں آتا تھا۔ عرب تاجر بھی اپنے اموال تجارت ان میلوں میں لاتے تھے۔ ان کی اہم

برآمدات میں بخورات، چمڑے کی بنی ہوئی اشیاء اور چاندی وغیرہ تھیں۔ اندرونِ عرب قریش مکہ کا تو خاص پیشہ ہی تجارت تھا۔ ہاشم، ابو طالب، ابولہب، عباسؓ، ابوسفیانؓ بن حرب، ابو بکر صدیقؓ، زبیرؓ بن العوام، طلحہؓ بن عبید اللہ جیسے اشرافِ مکہ اس سے وابستہ تھے۔ ان کے تجارتی قافلے شام، روم، عراق، یمن اور حبشہ تک جاتے تھے۔ عبد مناف کے چار بیٹوں نے قریش کے لئے تجارتی مراعات اور سہولتیں حاصل کرنے میں بڑا کردار ادا کیا۔ ہاشم نے شام کے غسانی حکمرانوں اور قیصر روم سے، عبد شمس نے نجاشی شاہ حبشہ سے، مطلب نے یمن کے حمیری حکمرانوں سے اور نوفل نے کسریٰ شاہ ایران سے تجارت کے لئے پروانے حاصل کر رکھے تھے۔ قریش کے تجارتی قافلے گرما اور سرما دونوں موسموں میں رواں رہتے تھے۔ موسم سرما میں یمن وحبشہ اور موسم گرما میں شام وغزہ اور بعض اوقات انقرہ تک ان کا تجارتی قافلہ جاتا تھا۔ بعض لوگ دوسروں کے سرمائے سے اجرت یا مضاربت پر کام کرتے تھے۔ مثلاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے سرمائے سے تجارت فرماتے تھے۔ تجارت کے سلسلے میں آپ نے شام اور ملحقہ علاقوں کے متعدد سفر کئے۔ یوں خواتین بھی تجارت میں حصہ لیتی تھیں۔ اندرون عرب بھی عربوں کی باہم تجارت ہوتی تھی۔ ایام حج میں عکاظ مجنہ اور ذوالمجاز کے زبردست تجارتی میلے لگتے تھے۔ اہل مکہ کو تجارت میں دوسروں پر یوں بھی برتری حاصل تھی کہ وہ بیت اللہ کے متولی ہونے کی وجہ سے عرب معاشرے میں معزز ومحترم سمجھے جاتے تھے اس لئے ان کے تجارتی قافلے لوٹ مار وغیرہ سے محفوظ رہتے تھے۔ سیرت حلبیہ میں ہے کہ عکاظ کا میلہ شوال کے مہینے میں لگتا تھا اس کے بعد لوگ مجنہ کے بازار میں آتے اور وہاں بیس دن تک قیام کرتے۔ پھر ذوالمجاز کا میلہ حج کے دنوں تک جاری رہتا۔ لیکن چونکہ شوال کا مہینہ حرمت والے مہینوں میں شامل نہیں ہے اور وسیع پیمانے پر تجارت حرمت والے مہینوں میں ہی ہوتی تھی اس لئے بعض مؤرخین کا خیال یہ ہے کہ عکاظ میں لوگ یکم ذی قعدہ کو پہنچتے تھے اور ۲۰ ذی قعدہ کے بعد وہ مجنہ چلے جاتے اور ذی الحجہ کا چاند نظر آنے پر وہ ذوالمجاز میں ۸ ذی الحجہ تک تجارت میں لگے رہتے اس کے بعد وہ منیٰ اور عرفات میں جاتے تو تجارتی کاروبار کو بند کر دیتے۔ بعد میں جب اسلام کا ظہور ہوا تو حجاج کو ایام حج میں بھی تجارت کی اجازت دی گئی۔ یہ تجارتی میلے بعد میں بھی عرصہ دراز تک جاری رہے۔ عکاظ کا میلہ ۱۲۹ ہجری/۷۴۶ عیسوی تک چلتا رہا۔ پھر خوارج کے فتنوں کی وجہ سے خصوصاً مشہور خارجی سردار ابوحمزہ مختار بن عوف ازدی کے ایام میں یہ میلہ ختم ہوگیا کیونکہ لوگوں کو خوارج کی طرف سے لوٹ مار کا خدشہ لاحق رہتا تھا۔ مجنہ اور ذوالمجاز کے میلے بھی اس کے بعد ختم ہوگئے۔ البتہ ایام حج میں مکہ مکرمہ، منیٰ اور عرفات میں تجارت چلتی رہی۔ عرب میں کوئی مضبوط مرکزی حکومت نہ ہونے سے امن وامان کی

صورت حال مخدوش رہتی تھی۔ صرف حرمت والے چار مہینے محفوظ و مامون ہونے کی وجہ سے عرب معاشرے کیلئے بہت بڑی نعمت تھے۔ اندرون عرب تجارتی کاروبار اور میلے عموماً انہی اشہرِ حُرم میں ہوتے تھے۔ دیگر مہینوں میں سامانِ تجارت کو لوٹ مار سے محفوظ رکھنے کے لئے قرب و جوار کے طاقتور قبائل کی حفاظت اور مدد حاصل کی جاتی تھی اور اموال تجارت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بہ حفاظت پہنچانے کے لئے ان قبائل کو اجرت دی جاتی تھی۔ اس اجرت کو خفارہ کہا جاتا تھا۔ ان تجارتی میلوں میں صرف تجارت ہی نہیں ہوتی تھی بلکہ یہاں شعر و شاعری اور خطابت کے بھی خوب مقابلے ہوتے تھے۔ تمام قبائل کے نامور شعراء اور خُطباء یہاں اکٹھے ہوتے۔ وہ اپنے قبائل کے انساب بیان کرتے۔ اپنے اپنے قبیلے کی بڑائی اور عظمت کو اجاگر کرنے کے لئے خوب لفاظی اور مبالغہ آرائی سے کام لیتے۔ اس لحاظ سے ان تجارتی بازاروں کی حیثیت عظیم الشان مشاعروں اور ادبی محافل کی بھی تھی۔ مختلف عرب قبائل کی بولیوں اور لہجوں کے باہم متعارف ہونے سے عربی زبان خصوصاً قریش کی لغت میں وسعت، حلاوت و ملاحت اور سدھار و نکھار کے اثرات نمایاں تھے۔

۳۔ زراعت: جزیرۃ العرب کے وہ علاقے جہاں بارش ہوتی تھی اور جو زراعت کے لئے موزوں تھے اور یمن کے وہ مقامات جہاں سدِ مآرب جیسے متعدد بند باندھ کر پانی ذخیرہ کیا جاتا تھا، زرعی ترقی اور آمدنی کا بڑا ذریعہ تھے۔ یمن، یمامہ، نجد، یثرب (مدینہ منورہ) اور خیبر میں زراعت ہوتی تھی۔ یمن اور یمامہ میں اناج بکثرت پیدا ہوتا تھا اور اہل مکہ اپنی غذائی ضرورتوں کے لئے اناج زیادہ تر یمامہ سے حاصل کرتے تھے۔ جَو بھی کاشت کیا جاتا تھا۔ عمان اور الاحساء میں چاول کی کاشت ہوتی تھی۔ جنوبی ساحلی علاقوں میں لوبان کے درخت بہ کثرت تھے، صحرائی درختوں میں ببول کی مختلف اقسام سے صمغ عربی (گوند) حاصل کی جاتی تھی۔ جلانے کے لئے لکڑی اور کوئلہ بھی صحرائی پودوں اور درختوں سے حاصل کیا جاتا تھا۔ پھلوں میں عربوں کی اہم پیداوار کھجور ہے۔ مدینہ میں کھجور کے باغات بہ کثرت تھے۔ یہاں تقریباً ایک سو اقسام کی کھجوریں ہوتی ہیں۔ سطح سمندر سے کوئی چھ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہونے کی وجہ سے طائف کے علاقے کی آب و ہوا نہایت خوش گوار ہے۔ موسم گرما میں اسے تفریحی مقام کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ یہاں کی زمین نہایت زرخیز اور شاداب ہے، مختلف زرعی اجناس کے علاوہ یہاں کے پھل مشہور ہیں۔ ان میں انجیر، زیتون، سیب، خوبانی، ناشپاتی وغیرہ شامل ہیں۔ طائف کا گلاب بھی دور دور تک مشہور تھا لیکن اس کی سب سے زیادہ شہرت انگور کی پیداوار اور اس سے کشید کی جانے والی شراب کی وجہ سے تھی۔ اس کی تجارت اہل طائف وسیع پیمانے پر کرتے تھے۔ طائف میں مکہ کے بعض رؤسا کی بھی

زرعی جاگیریں تھیں۔ یہاں کے پہاڑوں میں عمدہ شہد ملتا تھا۔ ساحلی علاقوں میں مچھلیاں اور موتی وغیرہ نکالے جاتے تھے۔ تاہم عرب کی زرعی پیداوار لوگوں کی غذائی ضروریات کے لئے ناکافی تھی۔ اس لئے حجاز کے علاقے میں تاجر شام وعراق کے علاقے سے اناج لاکر فروخت کرتے تھے۔ اندرونِ عرب یہ زرعی اجناس یمن اور یمامہ سے بھی پہنچتی تھیں۔

۴۔ **صنعت وحرفت**: صنعت وحرفت میں عرب دوسری اقوام سے بہت پیچھے تھے۔ روزمرہ کی معمولی ضرورت کی اشیاء بھی ان کے ہاں دیگر ممالک سے پہنچتی تھیں یہی وجہ ہے کہ عربی زبان میں الفاظ کا وسیع ذخیرہ ہونے کے باوجود بعض معمولی اشیا کے عجمی ناموں کو انہوں نے مُعرّب کر کے عربی لہجے میں ڈھال لیا تھا۔ مثلاً چراغ عربی میں سراج، شلوار عربی میں سراویل، آب ریز (بوٹا) عربی میں ابریق، کوزہ عربی میں کوز اور کرتہ عربی میں قرطق ہوگیا۔ تاہم یمن میں کپڑا تیار کرنے کا کام زمانہ قدیم سے چلا آرہا تھا چنانچہ یہاں کی چادروں کو بڑی شہرت حاصل تھی۔ یمن اور شام وغیرہ کے سرحدی علاقوں میں لوہے کا کام ہوتا تھا اور یہاں عمدہ تلواریں تیار کی جاتی تھیں۔ طائف میں انگور سے شراب اور گلاب سے خوشبو تیار کی جاتی تھی۔ چمڑے کی دباغت کا کام بھی یہاں ہوتا تھا اس لئے یہ شہر بلد الدباغ کہلاتا تھا۔ عرب خواتین میں سوت کاتنے کا عام رواج تھا۔ اہل مکہ اگرچہ زیادہ تر تجارت سے وابستہ تھے، لیکن بعض صنعتیں بھی ایک حد تک رائج تھیں جن سے بعض بڑے لوگ بھی وابستہ تھے مثلاً حضرت سعدؓ بن ابی وقاص تیر سازی کا کام کرتے تھے۔ ابوجہل کا بھائی عاص بن ہشام اور حضرت خالدؓ بن ولید کا باپ ولید بن مغیرہ لوہار تھے۔ حضرت زبیرؓ بن العوام کے والد اور بیت اللہ کے کلید بردار حضرت عثمانؓ بن طلحہ درزی تھے۔ عقبہ بن ابی وقاص بڑھئی کا کام کرتا تھا۔ حضرت عمروؓ بن العاص کا باپ بیطاری تھا۔ یثرب (مدینہ منورہ) میں یہودیوں کا قبیلہ بنوقینقاع زرگری کے پیشے سے وابستہ تھا۔

۵۔ **معیشت کے ناجائز ذرائع**: عرب میں سودی کاروبار کا بھی عام رواج تھا۔ بدوی اور نیم حضری قبائل لوٹ مار سے بھی کام لیتے تھے۔ کچھ چوری چکاری کے ذریعہ اپنی ضرورتوں کو پورا کرتے تھے۔ معیشت کے ان ناجائز ذرائع پر بحث عربوں کی اخلاقی حالت کے عنوان کے تحت کی جائے گی۔

تقابلی توقیتی جدول

انجیل متی اور بائبل کے پرانے عہد نامے میں دیئے گئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نسب نامے میں جن انبیائے علیہم السلام اور سلطنت یہوداہ کے بادشاہوں کے نام دیئے گئے ہیں، ان کے زمانوں کی عیسوی

تقویم میں تعیین کے لئے گڈ نیوز بائبل کے آخر میں ملحق ''اوٹ لائن چارٹ آف بائبل ہسٹری'' سے مدد لی گئی ہے۔ جو ادوار یا سنین تقریبی اور تخمینی ہیں ان کے لئے علامت ''ت'' لگائی گئی ہے۔ ق م سے قبل مسیح اور ق ھ سے قبل ہجرت سال مراد ہیں۔

نمبر شمار	عنوانات	متعلقہ توقیتی جزئیات	عیسوی تقویم	ہجری تقویم
	حضرت عیسیٰ ؑ کا نسب نامہ بہ مطابق انجیل متی و پرانا عہد نامہ	(۱) حضرت ابراہیمؑ کا دور	۱۹۰۰ق م (ت)	۲۵۹۹ق ھ (ت)
		(۲) حضرت یعقوبؑ (اسرائیل) کا دور	۱۸۰۰ق م (ت)	۲۴۹۶ق ھ (ت)
		(۳) حضرت داؤدؑ کا دور حکومت	۱۰۱۰تا۹۷۰ق م (ت)	۱۶۸۲تا۱۶۴۱ق ھ (ت)
		(۴) حضرت سلیمانؑ کا دور حکومت	۹۷۰تا۹۳۱ق م (ت)	۱۶۴۱تا۱۶۰۱ق ھ (ت)
		(۵) رحبعام کا دور حکومت	۹۳۱تا۹۱۳ق م	۱۶۰۱تا۱۵۸۲ق ھ
		(۶) ابیاہ کا دور حکومت	۹۱۳تا۹۱۱ق م	۱۵۸۲تا۱۵۸۰ق ھ
		(۷) آسا کا دور حکومت	۹۱۱تا۸۷۰ق م	۱۵۸۰تا۱۵۳۸ق ھ
		(۸) یہوسفط کا دور حکومت	۸۷۰تا۸۴۸ق م	۱۵۳۸تا۱۵۱۵ق ھ
		(۹) یورام کا دور حکومت	۸۴۸تا۸۴۱ق م	۱۵۱۵تا۱۵۰۸ق ھ
		(۱۰) عزیاہ کا دور حکومت	۷۸۱تا۷۴۰ق م	۱۴۴۶تا۱۴۰۴ق ھ
		(۱۱) یوتام کا دور حکومت	۷۴۰تا۷۳۶ق م	۱۴۰۴تا۱۴۰۰ق ھ
		(۱۲) آحز کا دور حکومت	۷۳۶تا۷۱۶ق م	۱۴۰۰تا۱۳۷۹ق ھ
		(۱۳) حزقیاہ کا دور حکومت	۷۱۶تا۶۸۷ق م	۱۳۷۹تا۱۳۴۹ق ھ
		(۱۴) منسی کا دور حکومت	۶۸۷تا۶۴۲ق م	۱۳۴۹تا۱۳۰۳ق ھ
		(۱۵) امون کا دور حکومت	۶۴۲تا۶۴۰ق م	۱۳۰۳تا۱۳۰۱ق ھ
		(۱۶) یوسیاہ کا دور حکومت	۶۴۰تا۶۰۹ق م	۱۳۰۱تا۱۲۶۹ق ھ
		(۱۷) یہویقیم کا دور حکومت	۶۰۹تا۵۹۸ق م	۱۲۶۹تا۱۲۵۷ق ھ
		(۱۸) یکونیاہ کا دور حکومت	۵۹۸ق م	۱۲۵۷ق ھ
		(۱۹) حضرت عیسیٰؑ کی ولادتِ مبارکہ	۶ق م (ت)	۶۴۷ق ھ (ت)

		حضرت عیسیٰؑ کی ولادت بقول ابوریحان البیرونی	۳۰۴ سکندری (۹_۸ق م)	۶۵۰_۶۴۹ق ھ
		(۲۰) حضرت عیسیٰؑ کا رفع سماوی بقول ابوریحان البیرونی	۳۰ عیسوی (ت)	۶۱۱ق ھ (ت)
			۳۳۶ سکندری (۲۴_۲۵ عیسوی)	۶۱۷_۶۱۶ق ھ
		نسب نامے کے بعض نام جو متی نے ذکر نہیں کیے (بہ مطابق پرانا عہد نامہ)		
		(۲۱) اخزیاہ: دور حکومت	۸۴۱ق م	۱۵۰۸ق ھ
		(۲۲) یوآس: دور حکومت	۸۳۵_۷۹۶ق م	۱۵۰۲ تا ۱۴۶۲ق ھ
		(۲۳) امصیاہ: دور حکومت	۷۹۶_۷۸۱ق م	۱۴۶۲ تا ۱۴۴۶ق ھ
۲	مملکت انباط کا خاتمہ	-	۱۰۶ عیسوی (ت)	۵۳۳ق ھ (ت)
۳	مکہ مکرمہ کی شہری ریاست	(۱) مکہ مکرمہ میں حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیلؑ کا آباد ہونا	۱۹۰۰ق م (ت)	۲۵۹۹ق ھ (ت)
		(۲) بنو جرہم کی حکومت کا دور	۱۹۰۰ق م تا ۱۰۰ عیسوی (ت)	۲۵۹۹ق ھ تا ۵۳۹ق ھ (ت)
		(۳) بنو خزاعہ کی حکومت کا دور	۱۰۰ تا ۴۴۰ عیسوی (ت)	۵۳۹ تا ۱۸۹ق ھ (ت)
		(۴) عمرو بن لحی خزاعی کے ذریعے مکہ میں بت پرستی کا فروغ	۲۰۷ عیسوی (ت)	۴۲۹ق ھ (ت)
		(۵) قصی بن کلاب کا کعبے پر قبضہ	۴۴۰ عیسوی (ت)	۱۸۹ق ھ (ت)
		(۶) دور جاہلیت میں مکہ پر قریش کی حکومت کی مدت	۴۴۰ تا ۶۳۰ عیسوی	۱۸۹ق ھ تا ۹ ہجری
		(۷) مکہ مکرمہ کا مدنی اسلامی ریاست سے الحاق (فتح مکہ)	۸ جون ۶۳۰ عیسوی	۲۰ صفر ۹ ہجری قمری بہ مطابق ۲۰ رمضان ۸ ہجری قمری بہ شمسی بروز جمعۃ المبارک

۴	ایام العرب	(۱) یوم بیضاء	وسط چوتھی صدی عیسوی (ت)	اواخر تیسری صدی قبل ہجرت (ت)
		(۲) یوم صفقہ/مشقر	اوائل ساتویں صدی عیسوی (ت)	اوائل پہلی صدی قبل ہجرت (ت)
		(۳) آخری حرب الفجار	اپریل ۵۸۹ عیسوی	رمضان ۲۱ میلادی قمری بہ مطابق رجب ۲۰ میلادی قمریہ شمسی
		(۴) حلف الفضول (معاہدہ صلح)	جولائی/ اگست ۵۸۹ عیسوی	محرم ۲۲ میلادی قمری بہ مطابق ذی قعدہ ۲۰ میلادی قمریہ شمسی
۵	عربوں پر بیرونی حملے	(۱) جنگ ذی قار	اوائل ساتویں صدی عیسوی (ت)	اوائل پہلی صدی قبل ہجرت (ت)
		(۲) نجران کے عیسائیوں کو خندقوں میں زندہ جلانے کا حادثہ	۵۲۳ عیسوی	۱۰۳ قبل ہجرت
		(۳) یمن میں آل حمیر کی حکومت کا خاتمہ	۵۲۵ عیسوی	۱۰۱ قبل ہجرت
		(۴) ابرہہ کا مکہ پر ناکام حملہ	۱۵ ستمبر ۵۶۹ عیسوی بروز اتوار	۱۷ رجب امیلادی قمری بہ مطابق ۱۷ محرم امیلادی قمریہ شمسی
		(۵) بخت نصر کا یروشلم (بیت المقدس) پر حملہ	جولائی ۵۸۷ ق م	صفر ۱۲۴۶ ق ھ
		(۶) رومی جرنیل طاطیس کا یروشلم پر حملہ	۷۰ عیسوی	۵۷۰ ق ھ
۶	قمریہ شمسی تقویم	(۱) آغاز عربی قمریہ شمسی تقویم	اوائل پانچویں صدی عیسوی (ت)	اواخر دوسری صدی قبل ہجرت (ت)
		(۲) آغاز عبرانی قمریہ شمسی تقویم	وسط چوتھی صدی عیسوی (ت)	اواخر تیسری صدی قبل ہجرت (ت)

حواشی وحوالہ جات

۱۔ سیرۃ النبی ﷺ علامہ شبلی نعمانیؒ وسید محمد سلیمان ندویؒ ۱/۱۶۲۔۱۶۳ حاشیہ

۲۔ انجیل متی ۔۱:۱۳۔۱۶۔انجیل لوقا ۳:۲۳۔۲۷

۳۔ انجیل متی ۔۱:۱۔۱۲۔لوقا ۳:۲۷۔۳۱ تواریخ اول ۲:۱۳۔۱۶، ۳:۵، ۱۰۔۱۷

۴۔ انجیل متی ۔۱:۱۔۵۔لوقا ۳:۳۲۔۳۴۔تواریخ اول ۱:۳۴، ۲:۱، ۴۔۵، ۹۔۱۲

۵۔ انجیل لوقا ۳:۳۴۔۳۸۔کتاب پیدائش ۵:۳۔۳۲، ۱۱:۱۱۔۲۶۔تواریخ اول ۱:۱۔۴، ۲۴۔۲۶

۶۔ البقرہ ۔۸۷، ۲۵۳۔ال عمران: ۴۵۔النساء: ۱۵۷، ۱۷۱۔المائدہ: ۴۶، ۱۱۰، ۱۱۲، ۱۱۴، ۱۱۶۔مریم: ۳۴ الاحزاب: ۷۔الحدید: ۲۷۔الصف ۶، ۱۴

۷۔ انجیل متی ۱:۱۸۔۲۳۔لوقا ۱:۲۶۔۳۵

۸۔ انجیل لوقا ۳:۲۳

۹۔ تواریخ اول ۔۳:۱۹۔۲۰

۱۰/۱۔ ایضاً ۳:۱۷۔۱۹۔

۱۰/۲۔ ایضاً ۳:۵

۱۱۔ ایضاً ۳:۱۵۔۱۶

۱۲۔ یرمیاہ ۳۶:۳۰

۱۳۔ انجیل لوقا ۱:۳۲

۱۴۔ انجیل متی ۲۴:۲۴

۱۵۔ ایضاً ۱:۱۱

۱۶۔ تواریخ اول ۳:۱۶

۱۷۔ انجیل متی ۱:۹

۱۸۔ تواریخ اول ۳:۱۱۔۱۲

۱۹۔ تواریخ دوم (۲۳:۲۲)۔(۳۳:۲۰)۔(۲۸:۲)

۲۰۔ انجیل متی ۱:۸

۲۱۔ تواریخ ثانی ۲۶:۱

۲۲۔ تواریخ اول ۳:۱۱۔سلاطین دوم ۱۵:۱

۲۳۔ لوقا ۳:۳۳، متی ۱:۵۔تواریخ اول ۲:۱۰

۲۴۔ Luhe 3 : 33۔لوقا۳:۳۳

۲۵۔ 1- Chronicles 2 : 10

۲۶۔ تواریخ اول۲:۱۱،لوقا۳:۳۲۔متی۱:۴۔۵

1- Chronicles 2 : 11

۲۷۔ Good New Bible: The New Testament Page 356

۲۸۔ کتاب پیدائش:باب ۳۸

۲۹۔ کتاب استثناء۲۳:۲

۳۰۔ انجیل متی۱:۱۷

۳۱۔ کتاب رُوت:باب۴

۳۲۔ کتاب پیدائش۱۹:۳۳۔۳۸

۳۳۔ سلاطین اول۱۴:۲۱

۳۴۔ کتاب پیدائش۱۹:۳۳۔۳۸

۳۵۔ سموئیل روم۱۱:۱۔۱۸

۳۶۔ متی۵:۲۷۔۲۸

۳۷۔ کتاب خروج۲۰:۱۴۔کتاب استثناء۵:۱۸

۳۸۔ احبار۲۰:۱۰

۳۹۔ استثناء۲۲:۲۲

۴۰۔ سموئیل دوم۱۱:۱۔۱۸

۴۱۔ ایضاً۱۳:۱۔۲۹

۴۲۔ ایضاً۱۶:۲۲

۴۳۔ ایضاً باب۱۸ باب۱۹:۱

۴۴۔ سلاطین اول۱۱:۱۔۱۱

۴۵۔ استثنا۱۳:۱۔۵،۱۷:۱۔۷

۴۶۔ خروج۲۲:۲۰

۴۷۔ ایضاً۳۲:۲۵۔۲۹

۴۸۔ استثناء۱۷:۱۷

۴۹۔ سلاطین اول۶:۱۱۔۱۲

۵۰۔ پیدائش۲۹:۱۰

۵۱۔ ایضاً (۳۴:۱۔۶)، (۳۵:۲۲)

۵۲۔ ایضاً ۳۸:۲۴

۵۳۔ ایضاً۔ باب ۴۹

۵۴۔ ایضاً۔ باب ۲۵

۵۵/۱۔ ایضاً۔ باب ۲۷

۵۵/۲۔ انجیل یوحنا ۱۰:۸

۵۶۔ (نیا عہد نامہ) گلتیوں ۳:۱۲

۵۷۔ احبار ۲۴:۱۰۔۱۶

۵۸/۱۔ انجیل متی ۵:۱۹۔۲۰

۵۸/۲۔ انجیل لوقا ۱:۳۲۔۳۳

۵۹۔ انجیل متی ۱۷:۱۰۔۱۳

۶۰۔ ایضاً ۱۱:۱۳۔۱۴

۶۱۔ انجیل یوحنا ۱:۱۹۔۲۱

۶۲۔ لوقا ۱۸:۱۸۔۱۹ مرقس ۱۰:۱۷۔۱۸

۶۳۔ متی ۲۷:۲۷۔۳۰

۶۴۔ ایضاً ۲۷:۳۹۔۴۲

۶۵۔ ایضاً۔ ۲۷:۴۶

۶۶۔ مرقس۔ (۱۵:۱۶۔۲۰)، (۲۹:۳۲،۳۴)

۶۷۔ اناجیل میں مذکور نسب ناموں پر تفصیلی تبصرہ متن میں ہو چکا۔ دور حاضر میں تہذیبوں میں تصادم کی باتیں زور پکڑ رہی ہیں جو دراصل اسلام اور عیسائیت کی دیرینہ کشمکش کی مظہر ہیں۔ اس تناظر میں مناسب معلوم ہوا کہ یہاں حاشیے میں عیسائیت کے بعض اساسی افکار و نظریات کا بھی تجزیہ کیا جائے۔ تاکہ تہذیبی برتری کا دعویٰ کرنے والوں کی عقل و دانش کے مزید کچھ نمونے سامنے لائے جاسکیں۔ اس مقصد کے لیے عقیدۂ کفارہ، مبینہ مصلوبیت مسیح، عقیدہ تثلیث، بائبل اور الوہیتِ مسیح، بائبل اور عقیدہ توحید کے عنوانات کو زیر بحث لایا جارہا ہے۔

عقیدۂ کفارہ: عقیدۂ کفارہ مختصراً یہ ہے کہ عیسائیوں کے خیال میں حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی حضرت حوّا نے ممنوعہ درخت کا پھل کھا کر بہت بڑے گناہ اور جرم کا ارتکاب کیا تھا۔ اگر خدا اس گناہ کو معاف کر دیتا تو یہ عدل کے خلاف ہوتا۔ یہی گناہ نوع انسانی میں وراثت کے طور پر منتقل ہوتا چلا آیا۔ چونکہ خدا رحیم بھی ہے اس لیے جب اس کی رحمت بالآخر جوش میں آہی گئی تو اس نے اپنے بیٹے یسوع مسیح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو دنیا میں بھیجا، تاکہ بیٹا مصلوب ہو کر نوع انسانی کے گناہوں کا کفارہ ادا کرے۔ اس عقیدے کا ایک

ایک جزو انتہائی مضحکہ خیز اور خلاف عقل ہے:

۱۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت آدمؑ وحوا تو ابلیس کے بہکاوے میں آکر یہ سمجھ بیٹھے کہ اب شجرِ ممنوعہ کے پاس جانے کی ممانعت باقی نہیں رہی لہٰذا ان کی یہ غلطی گناہ نہیں۔ بالفرض اگر اسے گناہ ہی سمجھ لیا جائے تو گناہ کا معاف کر دینا ہرگز خلاف عدل نہیں، کیونکہ اس صورت میں خدا اپنا ہی حق معاف کرتا، اس سے کسی اور کی حق تلفی نہیں ہوتی تھی۔ معاف کر دینا اچھی اور قابل تعریف صفت ہے، خود انجیل سے ثابت ہے کہ یسوع مسیح نے فرمایا تھا کہ کوئی شخص اگر تمہارے گال پر تھپڑ رسید کر دے تو دوسرا گال بھی اس کے آگے کر دو (متی ۵:۳۹) نیز یسوع مسیح نے قصور وار غلام اور نوکر کو معاف کر دینے کی تعلیم دی ہے اگرچہ اس نے ستر مرتبہ سے بھی زیادہ غلطی کا ارتکاب کیا ہو (متی ۱۸:۲۱۔۲۲) بالفرض اگر حضرت آدمؑ وحوا کا گناہ معاف نہیں ہوا تھا تو اس گناہ کا ان کی اولاد میں منتقل ہونا کون سا عدل ہے؟ یہاں وبائی اور موروثی بیماریوں کی مثال چسپاں نہیں ہوتی، کیونکہ مرض تو غیر اختیاری ہوتا ہے۔ اس کے اسباب بھی بسا اوقات اختیاری نہیں ہوتے اور مرض کی بنا پر کسی مریض کو مطعون نہیں کیا جاتا اور نہ ہی اسے قابل سزا سمجھا جاتا ہے۔ عیسائیوں کی عدالتوں میں اس طرح کے بے ہودہ فیصلے نہیں ہوتے کہ مثلاً قاتل دادا ہو اور اس کے پوتے کو سزائے موت اس دلیل کی بنا پر سنا دی جائے کہ دادے کا جرم پوتے میں از راہِ وراثت سرایت کر گیا ہے جس طرح دادا کی بیماری مثلاً ٹی۔ بی اس میں سرایت کر گئی تھی۔ کیا ہمارے عیسائی بھائیوں نے رب العالمین کی عدالت کو ہی ایسے بے ہودہ فیصلوں کے لیے مخصوص کر رکھا ہے؟

۲۔ بالفرض سب انسان گناہ گار تھے تو ان کی بجائے یسوع مسیح کو مصلوب کر دینا کون سا عدل ہے؟ یہاں مقروض کی یہ مثال دینا غلط ہے کہ کسی مقروض کا قرض کوئی اور شخص ادا کر دے تو مقروض بری الذمہ ہو جائے گا۔ عقودِ مالیہ (مالی معاملات اور معاہدات) کو اس طرح کے جرائم پر قیاس کرنا غلط ہے۔ کیا عیسائیوں کی عدالت میں اس طرح کے فیصلے بھی ہوا کرتے ہیں کہ قصور تو مثلاً مسٹر ٹام کا ہو مثلاً اس نے کسی کو قتل کر دیا ہو تو سزا میں پھانسی مسٹر جان کو دے دی جائے۔ اگر اس طرح کے فیصلے بیہودہ، لغو اور مضحکہ خیز ہیں تو رب العالمین کی عدالت میں ایسے فیصلے کیوں کر درست ہوں گے؟

۳۔ یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ یسوع مسیح کے پیدا ہونے اور مصلوب ہونے سے پہلے ہزاروں برس تک جو لوگ پیدا ہو کر مرتے رہے وہ آرام میں تھے یا عذاب میں مبتلا تھے؟ اگر آرام میں تھے تو یسوع مسیح کا مصلوب ہونا بے مقصد ہوا اگر وہ تکلیف میں تھے تو ان بیچاروں کا کیا قصور تھا کہ وہ سالہا سال تک عذاب میں مبتلا رہے جبکہ یسوع مسیح کے زمانے کے اور بعد کے لوگ چٹکی بھر میں گناہ سے نجات پا گئے۔ اگر خدا نے ایسا ہی نرالا انصاف کرنا تھا تو عقل سلیم کے مطابق اس کی بہترین صورت یہ تھی کہ خدا اپنے مینہ بیٹے یسوع مسیح کو حضرت آدمؑ کے ساتھ یا جلد بعد بھیج دیتا اور یسوع مسیح اسی وقت مصلوب ہو کر آدم وحوا کے گناہ کا کفارہ ادا کر دیتے اور یہ گناہ سرے سے نوع انسانی میں منتقل ہی نہ ہونے پاتا۔

۴۔ اگر یہ کہا جائے کہ یسوع مسیح سے پہلے کے لوگوں کی نجات کے لئے یہی کافی تھا کہ وہ آنے والے یسوع مسیح

پر ایمان رکھیں تو مصلوبیتِ مسیح سرے سے غیر ضروری ٹھہرتی ہے۔

۵۔ یسوع مسیح سے پہلے ہزاروں انبیائے کرام علیہم السلام نوع انسانی کی رہنمائی کے لئے آئے۔ اگر وہ نجات یافتہ تھے تو مصلوبیتِ مسیح کا کوئی مقصد نہ ہوا۔ اگر مبینہ موروثی گناہ کی بنا پر وہ خود بھی نجات یافتہ نہ تھے تو ان کی بعثت (معاذ اللہ) بیکار ٹھہری کیونکہ وہ جب خود ہی نجات یافتہ نہیں تھے بلکہ (معاذ اللہ) موروثی گناہ میں لتھڑے ہوئے تھے تو دوسروں کی اصلاح اور ان کی نجات کا وہ کیا سامان کر سکتے تھے؟

۶۔ سولی چڑھتے وقت یسوع مسیح میں خدائی موجود تھی یا نہیں تھی؟ اگر موجود تھی تو عیسائیوں کے تینوں خدا ختم ہو گئے، کیونکہ عیسائی تثلیث (Trinity) ایک میں تین اور تین میں ایک کا یہ لازمی نتیجہ ہے۔ مزید برآں اگر ان میں خدائی موجود تھی تو مصلوب ہونے کے دوران وہ خدا کو ایک بے بس اور عاجز انسان کی طرح یوں کیوں پکارتے رہے ایلی ایلی لما شبقتنی (متی ۲۷: ۴۶) ''اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟'' اگر یسوع مسیح میں خدائی اس وقت موجود نہیں تھی تو سولی ابن اللہ کو نہ ہوئی بلکہ ابن آدم کو ہوئی۔ اس مقصد کے لئے کسی بھی ابن آدم کو مصلوب کرا دیا جاتا۔ اس میں یسوع مسیح ہی کی تخصیص کیا معنیٰ رکھتی ہے؟ اگر سولی ابن اللہ کی بجائے ابن آدم کو ہوئی تھی تو کفارے کے عقیدے کا سارا فلسفہ ہی پیوند خاک ہو گیا۔

۷۔ اگر کہا جائے کہ یسوع مسیح معصوم تھے جبکہ دیگر لوگ موروثی گناہ کے زیر اثر تھے اسی لئے مصلوبیت کے لئے یسوع مسیح کا انتخاب ہوا تو سوچنے کی بات ہے کہ جب یسوع مسیح بھی حضرت آدمؑ و حوا ہی کی اولاد سے ہیں اور عیسائیوں کی موجودہ اناجیل میں وہ اپنے آپ کو بار بار ابن آدم کہتے ہیں اور کوئی ساٹھ مرتبہ انہوں اپنے آپ کو ابن آدم قرار دیا ہے تو موروثی گناہ خود یسوع مسیح میں کیوں منتقل نہ ہوا؟

۸۔ یسوع مسیح کے جو نسب نامے انجیل متی اور انجیل لوقا میں دیئے گئے ہیں ان کے مطابق آپ کے اجداد میں مثلاً یہوداہ بھی شامل ہے جس نے (معاذ اللہ) اپنی بہو تمر سے زنا کیا تھا اور اس زنا سے فارص اور زارح پیدا ہوئے تھے اور یہ فارص بھی آپ کے اجداد میں داخل ہے (کتاب پیدائش: باب ۳۸) اسی طرح نسب نامے میں شامل مثلاً حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام پر بھی (معاذ اللہ) زنا اور فحاشی کے سنگین الزامات ہیں (سموئیل دوم ۱۱: ۱۔ ۱۸، سلاطین اول ۱۱: ۱۔ ۱۱) تو ان مبینہ گناہگاروں کا گناہ بھی ان کی نسل میں منتقل ہوتا رہا یا نہیں؟ اگر ہوتا رہا تو غور کیجئے کہ بائبل کے ان بے ہودہ مضامین کی رو سے حضرت یسوعؑ پر بھی کتنے گناہوں کا بوجھ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) منتقل ہوا ہوگا؟ اگر ایسے سنگین گناہ نچلی نسلوں میں منتقل نہیں ہوئے تو حضرت آدم اور حوا ہی کا گناہ کیوں آئندہ نسلوں میں اندھا دھند منتقل ہوتا رہا؟

۹۔ کیا خدا اس بات پر قادر تھا کہ آدمؑ و حوا کے گناہ کو ان کی نسل میں منتقل ہی نہ ہونے دیتا یا قادر نہیں تھا؟ اگر قادر تھا اور اسی لئے یہ گناہ حضرت یسوع مسیح میں منتقل نہیں ہوا تھا تو خدا دوسروں میں بھی اسے منتقل نہ ہونے دیتا۔ اگر قادر نہیں تھا تو لازماً یہ گناہ (معاذ اللہ) یسوع مسیح میں بھی منتقل ہوا اور وہ معصوم نہ ٹھہرے۔ اگر کسی غیر معصوم کو ہی سولی پر چڑھانا تھا تو کسی بھی شخص کو سولی پر چڑھایا جا سکتا تھا اس میں حضرت یسوعؑ ہی کی کیا تخصیص ہے؟

۱۰۔ کہا جاتا ہے کہ کہ یسوع مسیح مصلوب ہونے کے بعد تیسرے دن جی اُٹھے تھے (لوقا ۲۴:۶۔۷)۔ کوئی مُردہ ازخود زندہ نہیں ہوسکتا۔ اگر انہیں خدا نے زندہ کیا تھا تو حضرت یسوع مسیح خدا کی مخلوق اور خدا کے بندے ہوئے انہیں عیسائیوں نے خدا کیسے بنالیا؟۔

۱۱۔ اگر خدا نے یسوع مسیح کو اس لئے بھیجا تھا کہ وہ مصلوب ہوکر نوع انسانی کے گناہوں کا کفارہ ادا کریں تو اس مبینہ مقدس مشن کی تکمیل کے لئے یسوع مسیح کو خوشی خوشی سولی پر چڑھنا چاہئے تھا، لیکن انا جیل کے (جھوٹے) مضامین کی رد سے وہ چھپتے رہے اور گرفتاری سے بچنے کی پوری کوشش کرتے رہے اور جب انہیں مبینہ طور پر مصلوب کیا گیا تو وہ خدا سے یہ شکایت کرتے رہے کہ اے میرے خدا!! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ (متی ۲۷:۴۶) حضرت یسوع مسیح نے خدا کی طرف سے سونپے گئے فریضے کی تکمیل میں اس قدر ناگواری کا کیوں رویہ اختیار فرمایا؟

۱۲۔ بائبل کے پرانے عہدنامے کی کتاب پیدائش سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے آدم وحوا کو اور سانپ کی شکل میں دھوکہ دینے شیطان کو ان کے جرم کی نقد سزا دے ڈالی تھی۔ آدم سے کہا گیا تھا کہ تجھے روزی پسینہ بہانے سے ملے گی۔ حوا سے کہا گیا کہ تو اور تیری بیٹیاں درد اور تکلیف سے بچہ جنا کریں گی۔ سانپ سے کہا گیا تھا کہ تجھے ٹانگوں سے محروم کردیا گیا ہے تو زمین پر رینگ کر چلے گا۔ تو آدم کی ایڑی کو ڈسے گا اور آدم (انسان) تیرے سر کو کچلا کرے گا۔ اگر یسوع مسیح واقعی مصلوب ہوکر گناہوں کا کفارہ ادا کرگئے ہیں تو عیسائیوں کو روزی بلا مشقت ملنی چاہئے تھی۔ عیسائی خواتین کو دردزہ سے ہمیشہ کے لئے نجات حاصل ہوجانی چاہئے تھی۔ عیسائیوں کے لئے سانپ بے ضرر ہوجانا چاہئے تھا۔ یہاں اسلام پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا، کیونکہ حضرت آدمؑ اور حضرت حوا کا زمین پر آنا سزا کے طور پر نہیں بلکہ شجر ممنوعہ کے پاس جانے کا طبعی اثر (Physical effect) تھا جیسے کوئی شخص خودکشی کی نیت سے سنکھیا کھالے، بعد میں گڑگڑا کر توبہ کرے۔ عین ممکن ہے توبہ قبول ہوجائے لیکن یہ تو ضروری نہیں کہ زہر اپنا طبعی اثر نہ دکھائے اور موت واقع نہ ہو۔ حضرات انبیائے علیہم السلام کا مقام بہت بلند ہے۔ بڑے لوگوں کی معمولی سے معمولی غلطی بھی بڑی سمجھی جاتی ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے نسیان یعنی بھول جانے کو عصیاں کہہ دیا اور حضرت آدمؑ وحوا کو توبہ کرنی پڑی تو یہ ان کی اجتہادی غلطی معاف ہوگئی تھی۔

۱۳۔ انجیل یوحنا میں ہے کہ کائفا نام کا ایک سردار یہودیوں میں کاہن تھا۔ اس کائفا نے سردار کاہن ہوکر نبوت کی کہ یسوع اس قوم کے واسطے مرے گا اور کائفا نے یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہی تھی بلکہ ازراہ نبوت کہی تھی (یوحنا ۱۱: ۴۷۔۵۳)۔ اور انجیل متی سے معلوم ہورہا ہے کہ یسوع مسیح علیہ السلام کو (مبینہ طور پر) گرفتار کر کے اسی کائفا کے پاس لے گئے تھے جس کی نبوت کا دعویٰ یوحنا کررہا ہے۔ اسی کی مذہبی عدالت میں یسوع پر مقدمہ چلایا گیا اور کائفا نے اپنے کپڑے پھاڑ کر کہا کہ یسوع نے بقول اس کائفا کے کفر بکا ہے۔ سب نے یسوع کے قتل کردینے کی رائے دی لوگوں نے یسوع کے منہ پر تھوکا، مکّے مارے اور بعض نے طمانچے مار کر کہا اے مسیح!

ہمیں نبوت سے بتا کہ تجھے کس نے مارا؟ (متی ۲۶: ۵۷، ۶۳۔۶۸)۔ یوحنا نے بھی اپنی انجیل میں لکھا ہے کہ یسوع کو گرفتار کرنے کے بعد پہلے حنا کے پاس لے گئے، کیونکہ وہ اس برس کے سردار کاہن کائفا کا سسر تھا، اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ وہی کائفا تھا جس نے یہودیوں کو صلاح دی تھی کہ امت کے واسطے ایک آدمی کا مرنا بہتر ہے۔ اس کے بعد یوحنا لکھتا ہے ''پس حنا نے اسے بندھا ہوا سردار کاہن کائفا کے پاس بھیج دیا'' (یوحنا ۱۸: ۱۳۔۱۴، ۲۴، ۲۸)۔ انجیل متی اور یوحنا کے ان مضامین سے یہ مضحکہ خیز انکشاف ہوا کہ کائفا نبی تھا اور ازراہ نبوت کلام کرتا تھا اپنی طرف سے نہیں کہتا تھا۔ ادھر یسوع مسیح عیسائی عقیدے کے مطابق ابن اللہ ہونے کی بنا پر خود خدا ہیں۔ یعنی خدا نے کائفا نبی کو یہ حکم دیا کہ خدا کے خلاف کفر کا فتویٰ دو اور اس مبینہ کفر پر اظہار نفرت کے لئے اپنے کپڑے پھاڑو۔ خدا پر (معاذ اللہ) تھوکو، اس کو مکے مارو، اس کے طمانچے لگواؤ پھر اس خدا کو مصلوب کراؤ۔ اگر کائفا واقعی ازراہ نبوت یہ کام کر رہا تھا تو عیسائی مذہب میں خدا اور اس کے نبیوں کی جو حیثیت ہے واضح ہو چکی۔ انجیل یوحنا میں یوحنا نے کائفا کو نبی ظاہر کرنے میں اگر جھوٹ لکھا ہے تو ایسے جھوٹوں کی جمع کردہ اناجیل کا کیا اعتبار رہا؟۔ اگر اکائفا نے حضرت یسوع پر کفر کا فتویٰ جھوٹا لگایا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ عیسائی عقیدے کے مطابق نبی جھوٹ بھی بولا کرتے تھے اور کفر کے جھوٹے فتوے جاری کر کے لوگوں کو مصلوب کراتے تھے، بلکہ یہاں تو اس نے (معاذ اللہ) خدا پر کفر کا فتویٰ جاری کر کے اسے مصلوب کرا دیا۔ اگر کہا جائے کہ اس وقت حضرت یسوع علیہ السلام سے خدائی عنصر (Divine element) نکل گیا تھا تو اس سے معلوم ہوا کہ جونہی حضرت یسوعؑ سے خدائی عنصر غائب ہوا، کائفا نبی کے فتوے کے مطابق یسوع کی زبان پر (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) کفر کے کلمات جاری ہو گئے۔ اگر اسی یسوعؑ کو مصلوب کرانا تھا تو ہمارے مسیحی بھائی ان کا معصوم ہونا کیسے ثابت کریں گے؟۔ اگر کائفا جھوٹا ہے تو جھوٹا شخص نبی کیسے ہو گیا؟ اگر سچا ہے تو یسوع معصوم کیسے ہوئے؟۔

مبینہ مصلوبیتِ مسیحؑ: اناجیل کے بغور مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس (مفروضہ) مصلوبیتِ مسیح پر عقیدۂ کفارہ کی عمارت کھڑی کی گئی ہے وہ سراسر ایک افسانوی داستان ہے۔ اس سلسلے میں اناجیل کے مضامین میں کھلے تضادات اور دیگر قرائن ہمارے اس دعوے کی بھرپور تائید و توثیق کر رہے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ حضرت یسوع کی مبینہ گرفتاری کا ذکر کرتے ہوئے انجیل متی میں لکھا ہے کہ آپ کو گرفتار کرانے کے لئے آپ کے ایک غدار حواری یہوداہ اسکریوتی نے یہ نشانی دی تھی کہ میں جس کا بوسہ لوں گا وہی یسوع مسیح علیہ السلام ہے۔ ''اور فوراً اس نے یسوع کے پاس آ کر کہا اے ربی! سلام، اور اس کے بوسے لئے۔ یسوع نے اس سے کہا میاں! جس کام کو آیا ہے کر لے۔ اس پر انہوں نے پاس آ کر یسوع پر ہاتھ ڈالا اور اسے پکڑ لیا۔'' (متی ۲۶: ۴۹۔۵۰) اس کے برعکس انجیل یوحنا میں ہے ''پس یہوداہ سپاہیوں کی پلٹن اور سردار کاہنوں اور فریسیوں سے پیادے لے کر مشعلوں اور چراغوں اور ہتھیاروں کے ساتھ وہاں آیا۔ یسوع ان سب باتوں کو جو اس کے ساتھ ہونے والی تھیں جان کر باہر نکلا اور ان سے کہنے لگا کہ کسے ڈھونڈتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا

یسوع ناصری کو اور یسوع نے ان سے کہا میں ہی ہوں اور اس کا پکڑوانے والا یہوداہ بھی ان کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس کے یہ کہتے ہی کہ میں ہوں وہ پیچھے ہٹ کر زمین پر گر پڑے۔ پس اس نے ان سے پوچھا کہ تم کسے ڈھونڈتے ہو؟ انہوں نے کہا یسوع ناصری کو۔ یسوع نے جواب دیا کہ میں تم سے کہہ تو چکا ہوں کہ میں ہی ہوں۔۔ تب سپاہیوں اور ان کے صوبہ دار اور یہودیوں کے پیادوں نے یسوع کو پکڑ کر باندھ لیا۔'' (یوحنا ۱۸: ۳۔۸، ۱۲) اس انجیل سے معلوم ہو رہا ہے کہ نہ تو یہوداہ اسکریوتی نے حضرت یسوع کے بوسے لئے اور نہ ہی ان کی شناخت کرائی بلکہ حضرت یسوعؑ نے خود ہی اپنا تعارف کرایا اور سپاہیوں نے آپ کو پکڑ لیا۔

۲۔ جب مبینہ مصلوبیت کے لئے حضرت عیسیٰؑ (یسوع مسیح) کو لوگ لے کر جا رہے تھے تو انجیل متی، لوقا اور فُرقس کے مطابق ایک شخص شمعون نامی دیہات سے آرہا تھا۔ لوگوں نے صلیب اس پر لاد دی اور وہ اسے مقام گلگتا تک اٹھا کر لایا (متی ۲۷: ۳۲، لوقا ۲۳: ۲۶، مرقس ۱۵: ۲۱) اس کے برعکس انجیل یوحنا کا مضمون یہ ہے کہ یہ صلیب شروع سے آخر تک خود یسوعؑ سے اٹھوائی گئی تھی اور وہ اسے اس جگہ تک لے گئے جو کھوپڑی کی جگہ کہلاتی ہے جس کا ترجمہ عبرانی میں گلگتا ہے (یوحنا ۱۹: ۱۷۔۱۸)۔

۳۔ رومی گورنر پیلاطس (Pilate) نے جو عنوان لکھ کر صلیب پر رکھا تھا۔ انجیل متی کے مطابق اس کے الفاظ یہ تھے ''یہ یہودیوں کا بادشاہ یسوع ہے'' (متی ۲۷: ۳۳)۔ انجیل مرقس کے مطابق اس کے الفاظ یہ تھے ''یہودیوں کا بادشاہ'' (مرقس ۱۵: ۲۶) انجیل لوقا میں یہ الفاظ یوں دیئے گئے ہیں ''یہ یہودیوں کا بادشاہ ہے'' (لوقا ۲۳: ۳۸) اور انجیل یوحنا کے مطابق یہ کلمات یوں تھے ''یسوع ناصری یہودیوں کا بادشاہ'' (یوحنا: ۱۹: ۱۹) اگر اناجیل کے مؤلفین کا حافظہ اس قدر کمزور اور خستہ حال تھا کہ وہ ایک چھوٹی سی عبارت کو بھی نہ یاد رکھ سکے تو دیگر طویل مضامین انہوں نے کیسے صحیح یاد رکھے ہوں گے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ چاروں اناجیل کے مؤلفین میں سے کوئی بھی موقع کا گواہ نہیں ہے متی نے خوب لکھا ہے ''اس پر سب شاگرد اسے چھوڑ کر بھاگ گئے (متی ۲۶: ۵۶) اور مرقس بھی یہی اعتراف کرتا ہے (انجیل مرقس ۱۴: ۵۰)۔ اناجیل کے بیان کے مطابق شاگرد تو وہاں موجود ہی نہیں تھے۔ انہوں نے اپنے اور یسوعؑ کے دشمن یہودیوں کی جھوٹی بات کو صحیح سمجھ لیا کہ یسوع علیہ السلام کو سولی دی گئی تھی یا ان عورتوں کا اعتبار کر لیا جو بقول متی قریب سے نہیں بلکہ دور کھڑی ہو کر دیکھ رہی تھیں (متی ۲۷: ۵۵۔۵۶) یہ ہے مسیحی عقائد کی بنیاد!!!۔

۴۔ اناجیل ثلاثہ (متی، مرقس اور لوقا) اس پر متفق ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کی موت صلیب پر ہوئی تھی لیکن انجیل یوحنا کا بیان مبہم ہے۔ اس کے مطابق چونکہ سنیچر کی رات آرہی تھی اور چونکہ سنیچر کا دن یہودیوں کے ہاں مقدس ہے اس لئے وہ نہیں چاہتے تھے کہ سولی پانے والے سولی پر لٹکے رہیں اس لئے انہوں نے پیلاطس کی اجازت سے حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ سولی پانے والے دو مردوں کی ٹانگیں توڑ ڈالیں لیکن جب وہ حضرت عیسیٰؑ کی ٹانگیں توڑنے آئے تو انہیں معلوم ہوا کہ وہ تو پہلے ہی فوت ہو چکے ہیں اس لئے انہوں نے آپ کی ٹانگیں نہیں توڑیں۔ اس کے باوجود ان میں سے ایک نے بھالے سے آپ کے پہلو کو چھیدا تو اس سے فی الفور خون اور پانی

بہہ نکلا (یوحنا ۱۹:۳۴) اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس وقت تک آپ کے دل کی دھڑکن جاری تھی اور جس کے دل کی دھڑکن جاری ہو وہ مردہ نہیں کہلاتا۔ نیز یہ امر بھی معنیٰ خیز ہے کہ سولی پر حضرت عیسیٰؑ کی مبینہ موت کس طرح چھ گھنٹوں میں ہی واقع ہوگئی حالانکہ عام حالات میں سولی پر موت کم از کم دو تین دن کے بعد واقع ہوتی ہے۔

۵۔ متی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی مبینہ مصلوبیت اور تدفین کے بعد اتوار کو علی الصبح آپ کی پیروکار مریم مگدلینی اور دوسری مریم قبر پر پہنچیں تو خدا کا فرشتہ نازل ہوا اور قبر پر رکھا ہوا پتھر لڑھک گیا جس پر فرشتہ بیٹھ گیا (متی ۲۸:۲) اس کے برعکس مرقس کا بیان ہے کہ وہ دونوں مریم نام کی خواتین اور سلومی جب قبر کے پاس پہنچیں تو دیکھا کہ پتھر لڑھکا ہوا ہے اور جب وہ قبر میں داخل ہوئیں تو ایک سفید پوش جوان (فرشتے) کو قبر کے اندر دائیں جانب بیٹھا ہوا دیکھا (مرقس ۱۶:۱۵) لوقا یہ کہانی سناتا ہے کہ یہ خواتین جب قبر پر گئیں تو پتھر کو لڑھکا ہوا پایا تو وہ قبر میں داخل ہوگئیں لیکن وہاں مسیح کا جسم نہ پا کر حیران رہ گئیں تو اچانک انہوں نے اپنے پاس سفید لباس پہنے دو اشخاص کو دیکھا جو بیٹھے ہوئے نہیں بلکہ کھڑے تھے (لوقا ۲۴:۲۔۴) یوحنا نے اور ہی کہانی سنائی ہے کہ ان دونوں فرشتوں میں سے ایک قبر کے سرہانے اور دوسرا پاؤں کی جانب بیٹھا ہوا تھا (یوحنا ۲۰:۲۱)

۶۔ متی کا بیان ہے کہ مریم مگدلینی اور دوسری مریم قبر پر پو پھٹنے کے وقت پہنچی تھیں، لیکن مرقس کا یہ کہنا ہے کہ اس وقت سورج نکلا ہوا تھا جبکہ یوحنا کے بیان کے مطابق اس وقت ابھی اندھیرا تھا (متی ۲۸:۱۔۲، مرقس ۱۶:۲، یوحنا ۲۰:۱)

۷۔ لوقا کے بیان کے مطابق مرم مگدلینی، جیمس کی ماں مریم اور دوسری عورتیں قبر پر آئی تھیں، لیکن انجیل یوحنا کے مطابق مریم مگدلینی تن تنہا وہاں پہنچی تھی (لوقا ۲۴:۲، یوحنا ۲۰:۱)

۸۔ انجیل مرقس کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کا آخری عشائیہ (رات کا کھانا) عیدالفطیر (عیدالفسح) کے روز تھا جبکہ یوحنا کے مطابق مبینہ مصلوبیت عیدالفسح کی آمد سے پہلے ہوئی جبکہ ابھی عیدالفسح کی رات نہیں آئی تھی (مرقس ۱۴:۱۲۔۱۷، یوحنا ۱۹:۳۱) یوں مرقس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مبینہ مصلوبیت یہودیوں کے مہینے نیساں کی پندرہ تاریخ کو ہوئی تھی، جبکہ یوحنا کے بیان کے مطابق یہ نیساں کی چودہ تاریخ کا واقعہ بنتا ہے۔ واضح رہے کہ یہودیوں کی عیدالفسح ۱۴ نیساں کو منائی جاتی ہے اور نیساں یہودی سال کا ساتواں مہینہ ہے۔

۹۔ متی اور مرقس نے حضرت مسیح کے ہمراہ مصلوب ہونے والے دو ڈاکوؤں کے متعلق لکھا ہے کہ یہ ڈاکو بھی جو اس کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے اس پر لعن طعن کرتے تھے، لیکن لوقا کا بیان ہے کہ ان میں سے ایک نے جب حضرت مسیح علیہ السلام کو طعنہ دیا تو دوسرے نے اسے ڈانٹا۔ پھر اس نے یسوع سے درخواست کی ''اے یسوع! جب تو اپنی بادشاہی میں آئے تو مجھے یاد کرنا۔ اس نے اس سے کہا میں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ آج ہی تو میرے ساتھ فردوس میں ہوگا''۔ یوں اناجیل کا اختلاف واضح ہے (متی ۲۷:۴۴، مرقس ۱۵:۳۲، لوقا ۲۳:۴۳)۔

۱۰۔ انجیل متی میں ہے کہ مبینہ مصلوبیت کے بعد یہودیوں نے رومی گورنر پیلاطس سے درخواست کی تھی کہ حضرت عیسیٰؑ کی قبر پر پہرہ لگا دیا جائے، کیونکہ حضرت عیسیٰؑ نے لوگوں کو بتایا تھا کہ میں مرنے کے تین دن بعد جی اٹھوں گا، ایسا نہ ہو کہ ان کے شاگرد ان کی نعش کو لے جائیں۔ اس پر قبر کی نگرانی کی گئی اور قبر کے پتھر پر مہر کی گئی

(متی ۲۷: ۶۳۔۶۶) لیکن دیگر اناجیل میں اتنی اہم خبر کا کوئی ذکر تک نہیں۔

۱۱۔ متی کا بیان ہے کہ فرشتے نے یسوع مسیح کی قبر پر آنے والی مریم مگدلینی اور دوسری مریم سے یہ کہا تھا کہ مسیح زندہ ہوگیا ہے اور تم سے پہلے گلیل چلا گیا ہے۔ تمہاری اس سے ملاقات وہیں ہوگی، لیکن آئندہ سطور میں ہے کہ ان خواتین کی حضرت مسیح سے ملاقات گلیل پہنچنے سے پہلے راستے ہی میں ہوگئی۔ مسیح نے انہیں سلام کیا اور کہا تم جا کر اپنے بھائیوں سے کہہ دو کہ وہ گلیل پہنچ جائیں وہاں وہ مجھے دیکھ سکیں گے۔ (متی ۲۸: ۷۔۱۰) اس کے برعکس لوقا کا بیان یہ ہے کہ ان عورتوں نے دو اشخاص (فرشتوں) سے مسیح کے دوبارہ جی اٹھنے کا سنا تو وہ واپس آ کر انہوں نے گیارہ حواریوں اور دیگر لوگوں کو مطلع کیا مگر انہوں نے ان خواتین کی خبر کو صحیح نہ سمجھا (لوقا ۲۴: ۵۔۱۲) ادھر یوحنا کا یہ کہنا ہے کہ یسوع مسیح کی ملاقات مریم مگدلینی سے قبر کے پاس ہی ہوئی تھی (یوحنا ۲۰: ۱۳۔۱۵)۔

۱۲۔ انجیل متی میں ہے کہ جب حضرت مسیح کی موت سولی پر ہوئی تو ''اور مقدس کا پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ کر دو ٹکڑے ہوگیا اور زمین لرزی اور چٹانیں تڑک گئیں۔ اور قبریں کھل گئیں اور بہت سے جسم ان مقدسوں کے جو سو گئے تھے جی اٹھے۔ اور اس کے جی اٹھنے کے بعد قبروں سے نکل کر مقدس شہر میں گئے اور بہتوں کو دکھائی دیئے'' (متی ۲۷: ۵۱۔۵۳) اس کے برعکس مرقس اور لوقا صرف پردے کا پھٹنا بیان کرتے ہیں اور باقی واقعات کا قطعاً ذکر تک نہیں کرتے۔ اگر ہیکل کا پردہ نیچے تک پھٹ گیا تھا تو باقی عمارت کیسے محفوظ رہ گئی؟ متی کے بیان کردہ ان انتہائی عجیب واقعات کو دیگر اناجیل کے مؤلفین اور اس زمانے کے مؤرخین نے کیسے نظر انداز کر دیا؟ نیز متی نے اسی ضمن میں آگے چل کر بیان کیا ہے کہ یہودی رومی گورنر پیلاطس کے پاس پہنچے تھے کہ اس گمراہ کن شخص (یسوع) نے اپنی زندگی میں کہا تھا کہ میں تین دن بعد زندہ ہو جاؤں گا اس لئے اس کی قبر پر پہرہ بٹھا کر نگرانی کی جائے۔ نیز متی نے اس سے پہلے یہ بھی لکھا ہے کہ پیلاطس اور اس کی بیوی یسوع مسیح علیہ السلام کو بے قصور سمجھتے تھے اور ان کے قتل پر راضی نہ تھے صرف یہودیوں کے مجبور کرنے پر اس نے یسوع کو صلیب دینے کے لئے ان کے حوالے کیا تھا۔ اگر مذکورہ بالا تمام واقعات رونما ہوئے ہوتے تو رومی گورنر پیلاطس تو ان یہودیوں پر سخت غضب ناک ہوتا اور کہتا کہ میں تو پہلے ہی سے یسوع کو بے قصور سمجھتا تھا۔ جھوٹا اب اتنی بڑی بڑی نشانیوں کے ظاہر ہونے پر یسوع کا سچا ہونا اور تمہارا جھوٹا ہونا خوب کھل گیا۔ عین ممکن تھا وہ قبر پر پہرہ لگانے کی درخواست کرنے والے ان یہودیوں کو بھی سولی پر لٹکا دیتا۔ کتاب اعمال میں ہے کہ جب حواریوں پر روح القدس کا نزول ہوا اور انہوں نے مختلف زبانوں میں کلام کیا تو لوگ سخت حیران ہوئے اور اس روز تین ہزار کی تعداد میں لوگ ایمان لائے (اعمال ۲: ۱۔۴۱)، متی کے بیان کردہ مذکورہ معجزات تو کہیں زیادہ تعجب خیز ہیں ان کے ظہور پر تو لاتعداد لوگ ایمان لے آتے اس سے متی کے بیان کا صاف جھوٹ ہونا خوب واضح ہو رہا ہے۔

۱۳۔ گڈ نیوز بائبل کی انجیل مرقس میں مبینہ مصلوبیتِ مسیح کا وقت ۹ بجے صبح کا بتایا گیا ہے۔ چنانچہ متعلقہ انگریزی متن یہ ہے:

It was 9 o'clock in the morning when they crucified him (Marh 15:25)

لیکن اسی بائبل کی انجیل یوحنا میں ہے:

It was then almost noon of the day before the Pass-over, Pilate said to the people "Here is your king." They shouted back "kill him, kill him, crucify him." (John 19 : 14-15)

''یہ عیدالفسح سے پہلے تقریباً دوپہر کا وقت تھا پیلاطس نے لوگوں سے کہا ''یہ تمہارا بادشاہ ہے'' وہ چلّا اٹھے ''اسے قتل کرو، اسے قتل کرو، اسے سولی دو''۔ دونوں اناجیل کی عبارتوں کے تقابل سے واضح ہے کہ مرقس کے خیال میں حضرت مسیح کو صبح نو بجے صلیب پر چڑھایا گیا تھا لیکن یوحنا کہتا ہے کہ حضرت مسیح تقریباً دوپہر کے وقت پیلاطس کے دربار میں تھے۔ ظاہر ہے کہ مبینہ مصلوبیت اس کے بعد ہوئی۔ اس تضاد کو دور کرنے کے لئے پروٹسٹنٹ چرچ کی اردو بائبل میں ہاتھ کی صفائی یوں دکھائی گئی کہ انجیل مرقس کی متعلقہ عبارت میں مصلوبیت کا وقت صبح نو بجے لکھنے کی بجائے عبارت یوں کر دی گئی ''اور دوپہر دن چڑھا تھا جب انہوں نے اس کو مصلوب کیا'' (مرقس ۱۵:۲۵)۔

۱۴۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے ایک شاگرد یہوداہ اسکریوتی نے مبینہ طور پر حضرت مسیح سے غداری کر کے انہیں پکڑوایا تھا۔ اس کے متعلق انجیل متی میں ہے کہ دورانِ گفتگو یہوداہ اسکریوتی نے حضرت مسیح علیہ السلام سے پوچھا تھا ''اے ربی! کیا میں غدار ہوں؟ اس نے کہا کہ تو نے خود کہہ دیا'' (متی ۲۶:۲۵) اس کے برعکس یوحنا کا یہ کہنا ہے کہ سیاقِ کلام میں یسوع نے یہ کہا تھا کہ جسے میں نوالہ ڈبو کر دے دوں گا وہی ہے پھر اس نے نوالہ ڈبویا اور لے کر شمعون اسکریوتی کے بیٹے یہوداہ کو دے دیا (یوحنا ۱۳:۲۶)۔ دیکھئے دونوں اناجیل میں مبینہ غدار یہوداہ اسکریوتی کے تعارف اور شناخت میں کس قدر اختلاف ہے۔

۱۵۔ اسی مبینہ غدار یہوداہ اسکریوتی کی موت کے حال میں متی نے لکھا ہے کہ اس نے جا کر اپنے آپ کو پھانسی دی لیکن لوقا نے کتابِ اعمال میں پطرس کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ وہ سر کے بل گرا اور اس کا پیٹ پھٹ گیا اور اس کی سب انتڑیاں نکل پڑیں۔ یہاں پھانسی کا ذکر تک نہیں ہے۔ (متی ۲۷:۵، اعمال ۱:۱۸)۔

۱۶۔ اسی مبینہ غدار یہوداہ اسکریوتی نے غداری کے عوض تیس روپے لئے تھے۔ انجیل متی میں ہے کہ بعد میں یہوداہ اپنے اس عمل پر نادم ہوا اور اس نے یہودی کاہنوں اور سرداروں کو یہ تیس روپے واپس کر دیئے۔ جب انہوں نے یہ روپے واپس نہ لئے اور اس سے کہا کہ ہمیں کیا، تو جان۔ اس پر اس نے یہ روپے مقدس میں پھینک دیئے اور جا کر اپنے آپ کو پھانسی دی۔ پھر سردار کاہنوں نے ان روپیوں کے عوض ایک کمہار کا کھیت خریدا تاکہ وہ پردیسیوں کے لئے قبرستان کا کام دے (متی ۲۷:۳۔۷) اس کے برعکس کتابِ اعمال میں لوقا کا بیان یہ ہے کہ یہوداہ اسکریوتی نے بدکاری کی اس کمائی سے خود ہی ایک کھیت حاصل کیا تھا۔ (اعمال ۱:۱۸)۔

۱۷۔ یہوداہ اسکریوتی کی مبینہ غداری کا علم ہمیں ہو چکا لیکن انجیل متی میں حضرت مسیح علیہ السلام کی یہوداہ اسکریوتی سمیت اپنے بارہ حواریوں کے متعلق یہ بشارت بھی سنئے ''یسوع نے ان سے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب

ابن آدام نئی پیدائش میں اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا تو تم بھی جو میرے پیچھے ہو لئے ہو بارہ تختوں پر بیٹھ کر اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا انصاف کرو گے'' (متی ۱۹: ۲۸)۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہوداہ اسکریوتی بھی اس بشارت میں شامل ہے لہٰذا اس پر غداری کا الزام کیسے درست ہوگا؟۔

(۱۸) کرنتھیوں کے نام اپنے پہلے خط میں پال (پولوس) حضرت مسیح کی مبینہ مصلوبیت کے بعد ان کے دوبارہ جی اٹھنے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے ''اور کیفا کو اور اس کے ان بارہ کو دکھائی دیا۔ پھر پانچ سو زائد بھائیوں کو ایک ساتھ دکھائی دیا جن میں سے اکثر اب تک موجود ہیں اور بعض سو گئے۔'' (۱۔کرنتھیوں ۱۵: ۵۔۶) اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت مسیح دوبارہ جی اٹھنے کے بعد یہوداہ اسکریوتی سمیت اپنے بارہ حواریوں کو دکھائی دیئے تھے حالانکہ مبینہ غدار حواری یہوداہ اسکریوتی حضرت مسیح کے دوبارہ جی اٹھنے سے پہلے ہی مر چکا تھا چنانچہ انجیل مرقس میں ہے ''پھر وہ ان گیارہ کو بھی جب وہ کھانا کھانے بیٹھے تھے دکھائی دیا''۔ (مرقس ۱۶: ۱۴)۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ پولس کا یہ کہنا بھی محض ہوائی گپ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام پانچ سو اشخاص کو ایک ساتھ دکھائی دیئے تھے۔ اتنی بڑی خبر کو چاروں اناجیل کے مؤلفین اور اس دور کے مؤرخین بھلا کیسے نظر انداز کر سکتے تھے؟

۱۹۔ انجیل یوحنا کے مطابق حضرت مسیح کی مبینہ گرفتاری اور مصلوبیت کے ایام شدید موسم سرما کے تھے جس میں لوگ آگ تاپتے تھے۔ چنانچہ متعلقہ عبارت یوں ہے: ''نوکر اور پیادے جاڑے کے سبب سے کوئلے دہکا کر کھڑے تاپ رہے تھے اور پطرس بھی ان کے ساتھ کھڑا تاپ رہا تھا'' (یوحنا ۱۸: ۱۸، ۲۵) اور اس پر اناجیل کا اتفاق ہے کہ یہودیوں کی عید الفسح قریب تھی۔ یہ عید عبرانی تقویم کے مہینے نیساں کے وسط میں ہوتی ہے اور نیساں ہمیشہ مارچ/اپریل کے مقابل ہوتا ہے۔ یہ مہینے بہار کے ہیں شدید موسم سرما کے نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان دنوں یہودیوں کی تقویم قمریہ شمسی نہیں بلکہ قمری تھی۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا امیریکانہ میں ہے کہ یہودیوں نے انیس سالہ میطونی دور کی بنیاد پر اپنی قمری تقویم کو قمریہ شمسی تقویم میں کہیں چوتھی صدی عیسوی میں جا کر تبدیل کیا تھا (انسائیکلوپیڈیا امیریکانہ ۱۸۶/۵ جیوئش کیلنڈر، طبع ۱۹۸۳ء) نیساں کا مہینہ مبینہ مصلوبیتِ مسیح علیہ السلام کے دنوں میں موسم سرما میں آیا تھا پس عیسائیوں کی موجودہ رسوم عشائے ربانی اور ایسٹر کے مہینہ کا مبینہ مصلوبیتِ مسیح علیہ السلام کے ایام سے دور دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی طرح غیر متعصب عیسائی محققین یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت مسیح کی ولادتِ مبارکہ کی مبینہ تاریخ ۲۵/دسمبر قطعاً غیر معتبر ہے۔ ۲۵/دسمبر رومی بت پرستوں اور کواکب پرستوں کے تہوار کا دن تھا جب رومی حکمرانوں اور عوام نے عیسائیت قبول کی تو ان کی دل جوئی کے لئے ان مشرکانہ رسوم کو مشرف بہ عیسائیت کر لیا گیا (انسائیکلوپیڈیا امیریکانہ ۹۰۳/۲ طبع ۱۹۸۳ء کولیز انسائیکلوپیڈیا ۴۰/۶ طبع ۱۹۸۶ء) ہم کہتے ہیں کہ بالکل اسی طرح عقیدہ تثلیث اور عقیدہ کفارہ مشرکانہ عقائد (Pagan Creeds) کو بھی مشرف بہ عیسائیت کر لیا گیا۔ اس میں زیادہ اور اہم کردار پولس (Paul) نے ادا کیا حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات کو بگاڑنے والا یہی شخص ہے اور عیسائیت دراصل

پولسویت (Paulism) ہے۔

کسی بھی معاملے میں بسا اوقات بہت سے جھوٹے گواہ ایک بات پر متفق ہو جاتے ہیں لیکن جب ان کی جھوٹی شہادتوں کو تحلیل و تجزیہ کے مراحل سے گزارا جائے تو ایسے اختلافات اور تضادات سامنے آتے ہیں کہ ان کا جھوٹ کھل جاتا ہے۔ عیسائیوں کی اناجیل اربعہ کے اصل مؤلفین کون ہیں، اس کا پتہ لگانا نہایت مشکل ہے لیکن ہمیں یقین ہے کہ آج عیسائی ممالک کی عدالتوں میں شہادتوں اور بیانات کی وہی نوعیت ہو جو اناجیل اربعہ کے مضامین کی ہے تو ان گواہوں کو اگر سزا نہ بھی دی جائے تو بھی ان کی شہادتوں کو جھوٹی یا مشکوک قرار دے کر مقدمہ خارج کر دیا جائے گا۔ چہ جائے کہ ایسے جھوٹے مضامین اور بیانات پر کسی مذہب کی بنیادیں استوار کی جائیں۔

۲۰۔ اناجیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مبینہ مصلوبیتِ مسیح سے پہلے حضرت مسیح نے یہ فرمایا تھا کہ وہ اپنی موت کے بعد تین دن اور تین رات تک قبر میں رہیں گے اس کے بعد دوبارہ جی اٹھیں گے اور اس سلسلے میں آپ نے یوناہ (حضرت یونس) کا حوالہ دیا تھا کہ وہ بھی مچھلی کے پیٹ میں تین دن اور تین رات رہے تھے۔ بائبل کے پرانے عہد نامے کی کتاب یوناہ کی متعلقہ عبارت میں قدیم انگریزی ترجمے کے مطابق "Three days and three nights" کے کلمات تھے۔ جدید انگریزی تراجم مثلاً گڈ نیوز بائبل میں اسے "Three days and nights" کر دیا گیا یعنی nights سے پہلے "Three" کا لفظ غائب کر دیا گیا اور اس کے بعد ہاتھ کی مزید صفائی دکھاتے ہوئے انجیل متی میں اسے ''تین رات دن'' کر دیا گیا (یوناہ ۱:۱۷، انجیل متی ۱۲:۴۰) یہ ساری کھینچا تانی اس لئے کی گئی کہ مبینہ طور پر حضرت مسیح نے جو یہ پیشگوئی فرمائی تھی کہ وہ موت کے بعد تین دن اور تین رات تک قبر میں رہیں گے وہ اناجیل کے مضامین کی روشنی میں سراسر غلط ثابت ہوتی ہے کیونکہ اناجیل کا اس پر اتفاق ہے کہ مبینہ مصلوبیتِ مسیح کا واقعہ جمعہ کے دن کا ہے اور شام کے وقت یوسف نامی ایک شخص نے رومی گورنر پیلاطس سے ان کی نعش مانگی اور انہیں دفن کیا (مثلاً انجیل مرقس ۱۵:۴۲۔۴۷) یوں حضرت مسیح کو سنیچر کی رات کو دفن کیا گیا پھر ان کی نعش اتوار کے دن سورج نکلنے سے پہلے غائب ہوگئی (انجیل یوحنا ۲۰:۱) یہاں واضح رہے کہ بائبل کی اصطلاح میں ہفتے کا پہلا دن اتوار ہوتا ہے۔ اس سے تو یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرت مسیح مؤلفین قبر میں صرف ایک دن اور دو رات رہے، حالانکہ بہ مطابق پیشین گوئی کی مدت ۶ تین دن اور تین رات ہونی چاہئے تھی۔ اس تضاد بیانی سے پیچھا چھڑانے کے لیے ''تین دن اور تین رات'' کی عبارت پر تحریف کی بھرپور مشق کی گئی اور اسے ''تین رات دن'' کر دیا گیا تاکہ سنیچر کی رات، سنیچر کا دن اور پھر اتوار کی رات شمار کر کے ''تین'' کا حساب پورا کیا جا سکے، لیکن بدقسمتی سے اس تحریف کا پول یوں کھل رہا ہے کہ مبینہ مصلوبیت اور تدفین کے بعد بہ مطابق انجیل متی یہودیوں نے رومی گورنر پیلاطس سے یہ کہا تھا ''خداوند! ہمیں یاد ہے کہ اس دھوکے باز نے جیتے جی کہا تھا میں تین دن کے بعد جی اٹھوں گا'' (متی ۲۷:۶۳) یہودیوں نے یہاں ''تین رات دن نہیں'' کہا بلکہ ''تین دن'' کہا ہے۔ ان کا یہ مکالمہ ظاہر کرتا ہے کہ یہاں دن سے چوبیس گھنٹوں والا پورا دن مراد ہے اور تین دن کے ۷۲ گھنٹے بنتے ہیں، لیکن اناجیل کے بیان کے مطابق حضرت مسیح

صرف ۳۶ گھنٹے قبر میں رہے۔ اس تحریف کی یہ کوشش اس لیے بھی ناکام رہتی ہے کہ لوقا کے بیان کے مطابق جب مریم مگدلینی اور دوسری عورتیں مبینہ مصلوبیتِ مسیح علیہ السلام کے بعد ان کی قبر پر آئیں تو اچانک ان کے پاس دو شخص براق لباس پہنے آ کھڑے ہوئے ''جب وہ ڈر گئیں اور اپنے سر زمین پر جھکائے تو انہوں نے اس سے کہا کہ زندہ کو مردوں میں کیوں ڈھونڈتی ہو؟ وہ یہاں نہیں بلکہ جی اٹھا ہے یاد کرو جب وہ گلیل میں تھا تو اس نے تم سے کہا تھا ضرور ہے کہ ابن آدم گناہ گاروں کے ہاتھ میں حوالہ کیا جائے اور مصلوب ہو اور تیسرے دن جی اٹھے'' (لوقا ۲۴: ۵۔۷) دیکھئے ان دو فرشتوں نے بھی تین دن کہا ہے۔ اگر تیسرے دن کو شمار نہ بھی کیا جائے تو بھی مسیح کو قبر میں پورے دو دن یعنی ۴۸ گھنٹے تک تو ضرور رہنا چاہئے تھا لیکن اناجیل کے مضامین کی روشنی میں یہ مدت بہ مشکل ۳۶ گھنٹے بنتی ہے۔

عقیدۂ تثلیث: ۱۔ عیسائیوں کے نزدیک باپ (خدا)، بیٹا (یسوع مسیح) اور روح القدس تین الگ الگ اقانیم (Persons) ہیں اور خدائی صفات کے حامل ہیں ساتھ ہی ان کا اصرار یہ بھی ہے کہ انہیں تین نہ کہا جائے بلکہ خدا ایک ہی سمجھا جائے یعنی یہ تینوں ایک ہی ہیں لیکن الگ الگ ہیں۔ وہ ایک میں تین اور تین میں ایک کے قائل ہیں۔ اس عقیدے کا خلافِ عقل ہونا بالکل واضح ہے، کیونکہ اگر ایک تین کے برابر ہو تو ایک کا تہائی حصہ ایک کے برابر ہوگا۔ بالفاظ دیگر جز و کل کے برابر ہوگا جو عقلاً محال ہے۔ عیسائی حضرات عقیدۂ تثلیث کو بعض اوقات یوں بھی ثابت کرتے ہیں کہ درخت تین چیزوں جڑ، تنے اور پتوں سے بنتا ہے یا جسم گوشت، خون اور ہڈی سے بنتا ہے۔ اس طرح کے دلائل مضحکہ خیز ہیں۔ انہیں دلیل کہنا ہی لفظ ''دلیل'' کی توہین ہے۔ جڑ، تنے اور پتے مفرد اجزا نہیں ہیں، یعنی یہ عناصر نہیں بلکہ مرکبات ہیں اسی طرح گوشت، خون اور ہڈی بھی مرکبات ہیں۔ اس طرح تو خدا تین سے زائد بھی ثابت کیے جا سکتے ہیں مثلاً زید ایک شخص جڑ، تنے، چھال، ٹہنیوں، ٹہنیوں کی چھال اور پتوں، پھولوں اور پھلیوں اور پھلیوں کے اندر موجود دانوں سے ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں ہزاروں خدا ثابت کر دے گا۔ بعض عیسائی علماء نے دماغ کی مثال دے کر تثلیث کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ کہتے ہیں کہ انسانی سر میں دماغ موجود ہے اور دماغ کو دماغ کی موجودگی کا علم دماغ ہی کے ذریعے ہوا یعنی صورت یوں بنی:

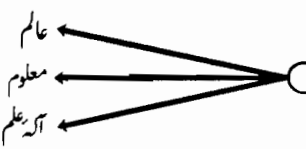

پس ان کے خیال میں تثلیث ثابت ہوگئی کہ یہ تین بھی ہیں اور ایک بھی۔ لیکن یہ محض ایک مغالطہ ہے مذکورہ صورت میں دماغ تو ایک ہی ہے۔ عالم، معلوم اور آلۂ علم ہونا اس کی صفات ہیں جبکہ عقیدۂ تثلیث میں باپ، بیٹا اور روح القدس تین الگ الگ اقانیم ہیں۔ مثلاً زید ایک شخص عالم بھی ہو، خوبصورت بھی ہو، خوش اخلاق بھی ہو، شادی شدہ بھی ہو تو زید کا مرد ہونا، عالم، خوبصورت اور شادی شدہ ہونا اس کی صفات ہیں۔ صفات کے

متعدد ہونے کے باوجود زید تو ایک ہی رہے گا۔ کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام حضرت عیسیٰؑ میں حلول کر گئی تھی اس لیے وہ خدا ہیں۔ ان لوگوں کا بڑا استدلال یہ ہے کہ خدا قادر مطلق ہے اس لیے وہ یا اس کی کوئی صفت جس چیز میں چاہے، حلول کر جائے ورنہ خدا کو عاجز ماننا پڑے گا۔ یہ استدلال بھی محض ایک فریب اور دھوکہ ہے۔ ایک سے زائد خداؤں کا وجود یا خدا کا کسی کے اندر حلول کرنا ایسے ہی محال ہے جیسے دو اور دو کا پانچ ہونا محال ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ خدا دو اور دو کو پانچ کر سکتا ہے یا نہیں تو یہ بے ہودہ سوال ہے، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کیا خدا خلافِ عقل اور بے ہودہ کام بھی کرتا ہے یا نہیں۔ خلافِ عقل کو ہم محال عقلی کہتے ہیں نیز اگر عیسائیوں کے ایسے استدلال کو تسلیم کر لیا جائے تو خدا اس پر بھی قادر ہوگا کہ وہ معاذ اللہ کسی چوہے، بلی، مکھی اور مچھر وغیرہ میں حلول کر جائے۔ جس مذہب میں خدا کا یہ مقام ہو اس کا باطل ہونا از خود واضح ہے۔ مزید برآں اگر کوئی شخص مثلاً زید یہ دعویٰ کر دے کہ خدا یا اس کی فلاں صفت اس کے اندر حلول کر گئی ہے لہٰذا مجھے بھی خدا سمجھا جائے تو عیسائی حضرات زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکیں گے کہ حضرت عیسیٰؑ نے جو معجزات دکھائے تھے، زید بھی دکھا دے۔ اس کے جواب میں زید عیسائیوں سے یہ پوچھ سکتا ہے کہ کیا خدا معجزے دکھانے اور لوگوں کی خواہشات کو پورا کرنے کا پابند ہے یا نہیں؟ اگر وہ پابند ہے تو وہ خدا نہیں ہو سکتا جو لوگوں کی مرضی پوری کرنے پر مجبور ہو۔ اگر پابند نہیں تو زید کہہ دے گا کہ چونکہ میں خدا ہوں اس لیے تمہاری خواہشات پوری کرنے کا پابند نہیں ہوں اور یہ بھی کہہ دے گا کہ بعض اوقات خود حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا تھا کہ ان لوگوں کو کوئی نشانی نہیں دی جائے گی (مرقس ۸: ۱۱-۱۲) مزید برآں زید یہ بھی کہہ دے گا کہ انجیل متی میں یسوع مسیح کا یہ قول نقل کیا گیا ہے ''کیوں کہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اٹھ کھڑے ہوں گے اور ایسے بڑے نشان اور عجیب کام کر دکھائیں گے کہ اگر ممکن ہو تو برگزیدوں کو بھی گمراہ کر لیں''۔ (انجیل متی ۲۴: ۲۴) پس معجزے انجیل متی کی رو سے کسی کے سچا ہونے کو ثابت ہی نہیں کر سکتے اب اگر عیسائی حضرات غصے میں آ کر زید کو قتل بھی کر ڈالیں تو زید کے معتقدین یہ کہہ دیں گے کہ دیکھو حضرت عیسیٰؑ کو یہودیوں نے سولی پر چڑھا دیا تھا اور عیسائیوں کے خیال میں حضرت عیسیٰؑ کے مصلوب ہو جانے کے باوجود ان کی خدائی میں کوئی فرق نہیں پڑا تو زید کی خدائی بھی اس کے مقتول ہونے سے خلل پذیر نہیں ہوئی۔ حضرت عیسیٰؑ انسانی صفات اور انسانی تقاضوں سے مبرا نہیں تھے مثلاً وہ خوراک کے محتاج تھے اور محتاج خدا نہیں ہوا کرتا۔ پھر اگر باپ (خدا) کی صفت کلام بیٹے (یسوع مسیح) میں حلول کر گئی ہے تو باپ صفت کلام سے محروم ہو گیا لہٰذا خدا نہ رہا۔ اگر یہ حلول اس قسم کا ہے کہ باپ کی صفات میں بھی کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تو یہ دعویٰ غلط ہوگا کیونکہ جب حضرت عیسیٰؑ بھی خدا بن گئے تو خدا کے شریک ہو گئے۔ ایک سے زائد خداؤں کا وجود عقلاً محال ہے۔

کبھی عیسائی حضرات یوں کہتے ہیں کہ تثلیث کا عقیدہ متشابہات میں سے ہے لہٰذا عقل کا یہاں دخل نہیں، اگر اس استدلال کو تسلیم کر لیا جائے تو تمام جھوٹے مذاہب اپنے اپنے نامعقول عقائد کو متشابہات قرار دے کر پیچھا چھڑا لیں گے۔ اس صورت میں حق و باطل میں کوئی امتیاز ہی باقی نہیں رہے گا اور متضاد عقائد میں سے کسی کی

تصدیق یا تردید ممکن نہیں رہی گی، لہٰذا کسی کو اپنے عقائد کی تبلیغ کا حق بھی نہیں ہوگا۔ ''سب درست ہے'' کہہ کر خاموشی اختیار کرنا ہوگی۔ عیسائیوں کے اس استدلال کا منطقی نتیجہ خود انہیں بھی قابل قبول نہیں ہوگا۔ اسلام میں متشابہات سے مراد وہ باتیں ہیں جن کا معنٰی ومفہوم یا تو بتایا ہی نہیں گیا یا معنٰی ومفہوم معلوم ہونے کے باوجود اس کا صحیح ادراک اور مناسب توجیہہ انسانی عقل سے بالاتر ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں حروفِ مقطعات آئے ہیں ان کا معنٰی ومفہوم ہمیں نہیں بتایا گیا یا کچھ آیات ایسی ہیں جن کی وضاحت ہماری عقل سے بالاتر ہے۔ یہاں یہ یاد رہے کہ اسلامی عقائد کی بنیاد ہرگز متشابہات پر نہیں بلکہ محکمات پر ہے۔ محکمات وہ آیات ہیں جن کا معنٰی و مفہوم سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی اور نہ ہی کوئی اشکال پیدا ہوتا ہے۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ متشابہات ہرگز خلافِ عقل نہیں بلکہ عقل سے بالاتر ہیں مثلاً ایک کا تین ہونا یا تین کا ایک ہونا یقیناً لغو اور خلافِ عقل ہے۔ جبکہ مثلاً ۸×۹ کا ۷۲ ہونا دو تین سال کی عمر کے بچے کی عقل سے بالاتر ہے لیکن خلافِ عقل ہرگز نہیں۔ الغرض اسلامی عقائد کی بنیاد محکمات پر ہے متشابہات پر نہیں جبکہ عیسائی حضرات اپنے عقائد ہی کو متشابہات قرار دے رہے ہیں اور وہ بھی ناحق ایسا کر رہے ہیں کیونکہ تثلیث کا عقیدہ نامعقول ہے اور متشابہات عقل سے بالاتر ہیں۔ دونوں میں واضح فرق موجود ہے، مثلاً قرآن کریم میں ہے کہ رحمٰن عرش پر قائم ہوا اور قرآن ہی سے ثابت ہے کہ اللہ کی مثل کوئی شے نہیں عقل کا بھی یہی فیصلہ ہے کہ اللہ کو مخلوق کے مشابہ نہیں ہونا چاہئے۔ پس رحمٰن کا عرش پر قائم ہونا ہرگز ایسے نہیں جیسے کوئی بادشاہ تخت نشینی کرتا ہے۔ رحمٰن کے عرش پر قائم ہونے پر ہمارا ایمان تو ہے۔ لیکن اس کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں عقیدۂ تثلیث کی رو سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی خدا ہیں، لیکن اناجیل سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو نیند بھی آتی تھی۔ انہیں بھوک بھی لگتی تھی مثلاً بھوک کی حالت میں وہ ایک مرتبہ ایک انجیر کے درخت کے پاس گئے کہ شاید انجیر لگے ہوں لیکن یہ انجیر کا موسم نہ تھا اس لئے وہاں سوائے پتوں کے اور کچھ نہ ملا تو آپ نے درخت کے لئے بددعا کی اگلے روز درخت جڑ تک سوکھا پایا گیا۔ (متی ۸:۲۴۔۲۵، مرقس ۱۱:۱۲۔۱۴) اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو بھوک لگتی تھی اور آپ کھانے پینے کے محتاج تھے۔ آپ کو یہ بھی پتہ نہ تھا کہ انجیر کو پھل کس موسم میں لگتا ہے۔ آپ کو یہ بھی علم نہ تھا کہ درخت پر سوائے پتوں کے اور کچھ نہیں ہوگا۔ آپ نے ناحق درخت کو لعن طعن کر کے اسے سکھا دیا۔ اناجیل کے بیان کے مطابق جب آپ کو سولی دی گئی تو آپ کہتے تھے ایلی ایلی لما شبقتنی (متی ۲۷:۴۶) گرفتاری سے پہلے اناجیل کے مطابق آپ نہایت پریشان تھے۔ مصلوب ہونے کے بعد آپ تیسرے دن جی اٹھے (لوقا ۲۲:۴۴، ایضاً ۲۴:۶۔۷) کوئی مردہ از خود زندہ نہیں ہوسکتا، یہ خلاف عقل ہے اگر آپ کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کیا تو اللہ خالق ہوا اور حضرت عیسیٰؑ اس کی مخلوق ہوئے۔ بھلا جسے نیند آتی ہو (متی ۸:۲۴۔۲۵) جسے بھوک لگتی ہو، جسے علمِ غیب حاصل نہ ہو، جسے پریشانی لاحق ہوتی ہو وہ خدا کیسے ہوسکتا ہے اور جو مبینہ مصلوبیت کے موقع پر اپنے رب سے التجائیں کرتا ہو وہ بندہ ہے خدا نہیں ہوسکتا۔ پھر آپ کا حضرت مریمؑ سے پیدا ہونا، بچپن میں پرورش پانا تمام انسانی صفات کا حامل ہونا ظاہر کرتا ہے کہ آپ خدا نہیں تھے، خدا کو سولی نہیں دی جاسکتی، وہ غالب ہوتا ہے نہ کہ دشمنوں

کے ہاتھوں مغلوب ومصلوب اور بے بس ہوتا ہے۔ قرآن کریم کی ایک ہی آیت نے اس باطل عقیدے کو جڑ سے اکھاڑ دیا ہے۔ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ O (ال عمران:۲) ''اللہ وہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ ہے، خود بھی قائم ہے اور کائنات کو تو بھی سنبھالتا ہے''۔ ادھر حضرت عیسیٰؑ ہیں کہ عیسائی عقیدے کے مطابق موت سے ہم کنار ہوئے۔ انہوں نے کائنات کو تو کیا سنبھالنا تھا وہ عیسائی حضرات کے عقیدے کی رو سے اپنے آپ کو بھی دشمنوں سے نہ بچا سکے۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر الوہیتِ مسیح اور عقیدۂ تثلیث کی تردید کی گئی ہے۔ مثلاً سورہ ال عمران، سورہ نساء، سورۂ مائدہ اور سورۂ مریم وغیرہ میں یہ مباحث موجود ہیں۔

الوہیتِ مسیح علیہ السلام اور بائبل: اناجیل کے حوالے سے حضرت عیسیٰؑ کی اُلوہیت (خدا ہونے) پر ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ انہوں نے کئی مرتبہ اپنے آپ کو ابن اللہ یعنی اللہ کا بیٹا قرار دیا ہے پس وہ معبود اور خدا ہیں۔ اگر اس سے الوہیتِ مسیح ثابت ہوتی ہو تو حضرت آدمؑ کو بھی (معاذ اللہ) خدا کہنا چاہئے کیونکہ لوقا نے اپنی انجیل میں حضرت مسیحؑ کا نسب بیان کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے ''اور وہ انوس کا اور وہ ستِ کا اور وہ آدم کا اور وہ خدا کا تھا'' (لوقا ۳:۳۸)۔ گڈ نیوز بائبل میں ہے:

"The son of Enosh, the son of Seth, the son of Adam, the son of d'
(Luke 3 : 38)

دیکھئے اردو بائبل میں تو ''بیٹے'' کا لفظ نہ لکھ کر کچھ ابہام پیدا کیا گیا تھا لیکن انگریزی بائبل میں تو آدم علیہ السلام کو صاف اور کھلے الفاظ میں خدا کا بیٹا قرار دیا گیا ہے۔ عجیب بات ہے کہ عیسائی اس کے باوجود حضرت آدم کو سخت گناہ گار ٹھہراتے ہیں اور یہ کہ آدم وحوا کا یہ گناہ بقول ان کے انسانی نسل میں منتقل ہوتا چلا آرہا تھا اور اسی موروثی اور پیدائشی گناہ سے نوع انسانی کو نجات دلانے کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام کو بقول ان کے خدا کا بیٹا بنا کر سولی پر چڑھانا پڑا، حالانکہ اگر مسیح کو خدا کا بیٹا ہونے کی وجہ سے خدا بنا لینے کی گنجائش ہو تو حضرت آدم کو اس سے کیوں محروم کیا گیا؟ وہ بھی تو انجیل لوقا کے مطابق خدا کے بیٹے ہی تو ہیں، بلکہ براہ راست بیٹے ہیں کیونکہ اولین انسان ہیں جنہیں خدا نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا فرمایا تھا۔ حضرت مسیح بغیر باپ کے پیدا ہوئے مگر ان کی ماں تو موجود تھی۔ انجیل متی کے مطابق حضرت مسیح نے اپنے شاگردوں کو مخاطب کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا ''اسی طرح تمہاری روشنی آدمیوں کے سامنے چمکے تاکہ وہ تمہارے نیک کاموں کو دیکھ کر تمہارے باپ کی جو آسمانوں پر ہے تمجید کریں'' (متی ۵:۱۶)۔ انجیل لوقا میں ہے ''کیونکہ ان سب چیزوں کی تلاش میں دنیا کی قومیں رہتی ہیں لیکن تمہارا باپ جانتا ہے کہ تم ان چیزوں کے محتاج ہو، (لوقا ۱۲:۳۰) انجیل یوحنا میں ہے ''یسوع نے اس سے کہا کہ مجھے نہ چھو کیونکہ میں اب تک باپ کے پاس اوپر نہیں گیا لیکن میرے بھائیوں کے پاس جا کر ان سے کہہ کہ میں اپنے باپ اور تمہارے باپ اپنے خدا اور تمہارے خدا کے پاس اوپر جاتا ہوں'' (یوحنا ۲۰:۱۸) اسطرح کے بیسیوں مضامین اناجیل میں مل جائیں گے جن میں اللہ تعالیٰ کو حضرت مسیحؑ ہی کا نہیں بلکہ ان کے سب شاگردوں کا بھی باپ کہا گیا ہے۔ انجیل متی میں ہے

''مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے'' (متی ۵:۹) لیجئے عیسائی بھائیوں کی منطق کی رو سے لوگوں میں صلح کرانے والے سب کے سب (معاذ اللہ) خدا ہو گئے۔ کتاب خروج میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو فرعون کے پاس بھیجا تھا تو حضرت اسرائیل (یعقوبؑ) کو اپنا بیٹا قرار دیا تھا ''اور تو فرعون سے کہنا کہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ اسرائیل میرا بیٹا بلکہ پہلوٹھا ہے۔ اور میں تجھے کہہ چکا ہوں کہ میرے بیٹے کو جانے دے تاکہ وہ میری عبادت کرے اور تو نے اب تک اسے جانے دینے سے انکار کیا ہے سو دیکھ میں تیرے بیٹے کو بلکہ تیرے پہلوٹھے کو مار ڈالوں گا۔'' (کتاب خروج ۴:۲۲۔۲۳)۔ فرعون سے حضرت موسیٰ کا یہ مکالمہ صاف ظاہر کر رہا ہے کہ یہاں اسرائیل سے مراد بنو اسرائیل ہیں۔ تو عیسائیوں کے نزدیک سب کے سب بنو اسرائیل (معاذ اللہ) خدا ہونے چاہئیں۔ زبور میں حضرت داؤدؑ اپنے متعلق کہتے ہیں ''خداوند نے مجھ سے کہا کہ تو میرا بیٹا ہے آج تو مجھ سے پیدا ہوا'' (زبور ۲:۷) دیکھئے ان کلمات سے ''آج تو مجھ سے پیدا ہوا ہے'' مجازی معنیٰ مراد لیا جائے گا۔ ان کا مطلب کوئی بھی یہ نہیں لیتا کہ حضرت داؤدؑ (معاذ اللہ) خدا بن گئے تھے۔ یہاں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ حضرت مسیحؑ نے کہیں بھی اپنے آپ کو خدا قرار نہیں دیا بلکہ وہ بار بار (تقریباً ۶۰ مرتبہ) اپنے آپ کو ابن آدم کہتے رہے ہیں۔ مثلاً انجیل لوقا میں ہے ''یسوع نے اس سے کہا کہ لومڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے مگر ابن آدم کے لئے سر دھرنے کی بھی جگہ نہیں'' (لوقا ۹:۵۸) انجیل لوقا سے یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ جب بدروحوں نے آپ کو خدا کا بیٹا کہا تو آپ نے انہیں جھڑک دیا ''اور بدروحیں بھی چلا چلا کر اور یہ کہہ کر کہ تو خدا کا بیٹا ہے بہتوں میں سے نکل گئیں اور وہ انہیں جھڑکتا اور بولنے نہ دیتا تھا کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ یہ مسیح ہے'' (لوقا ۴:۴۱) آپ نے اپنے آپ کو خدا کا بیٹا کبھی اس معنیٰ میں نہیں کہا کہ میں خود بھی خدا اور معبود ہوں بلکہ اس دور کے محاورات کے مطابق وہ بیٹے کو محبوب پیارے اور راستباز کے معنیٰ میں لیتے تھے چنانچہ عہد نامہ قدیم کی کتاب سموئیل دوم میں حضرت سلیمانؑ کو خدا نے اپنا بیٹا کہا ہے ''میں اس کا باپ ہوں گا اور وہ میرا بیٹا ہوگا'' (سموئیل دوم ۷:۱۴)۔ الغرض اس طرح کی لاتعداد مثالیں بائبل کے پرانے اور نئے عہد ناموں سے پیش کی جا سکتی ہیں پس اگر خدا کے بیٹے کا مطلب خدا اور معبود ہونا ہو تو یہ سب کے سب جنھیں خدا کے بیٹے کہا گیا ہے (معاذ اللہ) خدا ہونے چاہئیں۔ عہد نامہ قدیم میں حضرت اسرائیل کے علاوہ حضرت داؤد اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بیٹے افرائیم کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنا پہلوٹھا بیٹا قرار دیا ہے (زبور ۸۸:۲۷، یرمیاہ ۳۱:۹) بائبل کے مضامین اور عام رواج کے تحت پہلوٹھا بیٹا دوسروں کی نسبت زیادہ احترام و اکرام کا مستحق ہے۔ اگر یہاں یہ کہا جائے کہ حضرت یسوع علیہ السلام کے بارے میں ''اکلوتا بیٹا'' کے الفاظ آئے ہیں تو یہ الفاظ اپنے حقیقی معنی میں ہرگز نہیں بلکہ تو اکلوتا بیٹا کے الفاظ بھی مجازی معنیٰ میں ہی لیے جائیں گے، کیونکہ اناجیل میں کوئی ساٹھ مرتبہ حضرت یسوع نے اپنے آپ کو ابن آدم کہا ہے۔ پس اس طرح کے تمام مضامین میں بیٹے کو محبوب اور عزیز کے معنیٰ میں اور باپ کو مشفق اور مہربان کے معنیٰ میں لیا جائے گا۔

۲۔ الوہیت مسیح علیہ السلام پر ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ انجیل یوحنا میں ہے ''میں اور باپ ایک ہیں'' (یوحنا ۱۰: ۳۰) لیکن خود حضرت یسوع مسیح نے اس کی وضاحت فرمادی ہے جب یہودیوں نے آپ کو سنگسار کرنے کے لیے پتھر اٹھائے تو انہوں نے آپ پر الزام لگایا تھا کہ تو آدمی ہو کر اپنے آپ کو خدا بناتا ہے'' اس پر یسوع نے انہیں جواب دیا کیا تمہاری شریعت میں یہ نہیں لکھا ہے کہ میں نے کہا تم خدا ہو۔ جبکہ اس نے انہیں خدا کہا جن کے پاس خدا کا کلام آیا اور کتاب مقدس کا باطل ہونا ممکن نہیں'' (یوحنا ۱۰: ۳۴۔۳۵) حضرت یسوع کا اشارہ کتاب زبور کی اس عبارت کی طرف تھا ''میں نے کہا تھا کہ تم الٰہ ہو اور تم سب حق تعالیٰ کے فرزند ہو'' (زبور ۸۲: ۶) حضرت یسوع نے وضاحت فرمادی کہ جس طرح زبور کی مذکورہ عبارت میں ''الٰہ'' اور ''خدا کے فرزند'' کا استعمال مجازی معنیٰ میں ہوا ہے نہ کہ وہ واقعی خدا بن گئے تھے اسی طرح میرے کلام کو بھی من مانے انداز میں حقیقی معنیٰ نہ پہناؤ۔ نیز اسی طرح کے کلمات خود حواریوں کے حق میں بھی کہے گئے ہیں انجیل یوحنا میں ہے'' تاکہ وہ سب ایک ہوں یعنی جس طرح اے باپ تو مجھ میں ہے اور میں تجھ میں ہوں وہ بھی ہم میں ہوں اور دنیا ایمان لائے کہ تو ہی نے مجھے بھیجا۔ اور وہ جلال جو تو نے مجھے دیا ہے، میں نے انہیں دیا ہے تاکہ وہ ایک ہوں جیسے ہم ایک ہیں۔ میں ان میں اور تو مجھ میں تاکہ وہ کامل ہو کر ایک ہوں جائیں اور دنیا جانے کہ تو ہی نے مجھے بھیجا اور جس طرح کہ تو نے مجھ سے محبت رکھی ان سے بھی محبت رکھی'' (انجیل یوحنا ۱۷: ۲۱۔۲۳) مذکورہ عبارت میں ''وہ سب ایک ہوں'' اسی طرح یہ جملہ ''میں ان میں اور تو مجھ میں تاکہ وہ کامل ہو کر ایک ہو جائیں'' یہ معنیٰ نہیں رکھتا کہ حواری حضرت یسوعؑ اور خدا کے ساتھ متحد ہو کر (معاذ اللہ) سب خدا بن گئے تھے بلکہ معنیٰ یہ لیا جائے گا کہ جس طرح یسوع مسیح اللہ کے محبوب ہیں اسی طرح حواری بھی اللہ کے محبوب ہیں اور مذکورہ عبارت میں یہ کلمات ''اور دنیا ایمان لائے کہ تو ہی نے مجھے بھیجا'' اور یہ کلمات ''اور دنیا جانے کہ تو ہی نے مجھے بھیجا'' صاف ظاہر کر رہے ہیں کہ یسوع مسیح اللہ کے رسول ہیں، خدا نہیں ہیں۔

۳۔ الوہیتِ مسیح پر ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ انجیل یوحنا میں ہے ''اس نے اس سے کہا اے فلپُس! میں اتنی مدت سے تمہارے ساتھ ہوں کیا تو مجھے نہیں جانتا؟ جس نے مجھے دیکھا اس نے باپ کو دیکھا تو کیوں کر کہتا ہے کہ باپ کو ہمیں دکھا۔ کیا تو یقین نہیں کرتا کہ میں باپ میں ہوں اور باپ مجھ میں ہے؟ یہ باتیں جو تم سے کہتا ہوں اپنی طرف سے نہیں کہتا، لیکن باپ مجھ میں رہ کر اپنے کام کرتا ہے۔'' (یوحنا ۱۴: ۹۔۱۰)۔ یہ استدلال بھی درست نہیں کیونکہ یسوع مسیح کا یہ بھی ارشاد ہے ''اس روز تم جانو گے کہ میں اپنے باپ میں ہوں اور تم مجھ میں اور میں تم میں'' (یوحنا ۱۴: ۲۰)۔ اگر زید کو عمرو میں اور عمرو کو بکر میں مانا جائے تو لازماً زید کو بھی بکر میں ماننا پڑے گا۔ پس یہاں بھی معنیٰ یہ ہے کہ میں اور میرے ساتھی اللہ کی مرضی اور منشاء کے مطابق کام کر رہے ہیں اس لیے اللہ کے محبوب ہیں ورنہ یسوع مسیح کے سب مخاطبین اور شاگردوں کو (معاذ اللہ) خدا قرار دینا ہوگا۔ چونکہ حضرت مسیح اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اس لیے وہ جو کچھ فرماتے تھے اللہ ہی کی طرف سے تھا اور جو معجزات وہ دکھاتے تھے وہ بھی دراصل اللہ ہی کی طرف سے تھے جن کا ظہور حضرت یسوع مسیح کی طرف سے ہو رہا تھا۔

حضرت مسیح نے حواریوں کے متعلق ارشاد فرمایا تھا ''جو تمہاری سنتا ہے وہ میری سنتا ہے اور جو تمہیں نہیں مانتا وہ مجھے نہیں مانتا اور جو مجھے نہیں مانتا وہ میرے بھیجنے والے کو نہیں مانتا'' (لوقا ۱۰:۱۶) دیکھیے حواریوں کی باتوں کو ماننے اور ان پر ایمان لانے کا مطلب حضرت مسیح اور خدا کی باتوں کو ماننا اور ان پر ایمان لانا ہے کیونکہ وہ آپ ہی کے تو بھیجے ہوئے تھے اور آپ کو خدا نے بھیجا تھا اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ حواری خود یسوع مسیح یا خدا بن گئے تھے۔ قرآن کریم میں ہے فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ (الانفال: ۱۷) سو تم نے (غزوہ بدر میں) ان (مشرکین) کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے قتل کیا اور تو نے (ان مشرکین) کی طرف خاک کی مٹھی نہیں پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی'' اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور غزوہ بدر میں شریک آپ کے صحابہ کرامؓ (معاذ اللہ) خدا بن گئے تھے۔

۴۔ انجیل یوحنا میں ہے ''اس نے ان سے کہا کہ تم نیچے کے ہو، میں اوپر کا ہوں۔ تم دنیا کے ہو، میں دنیا کا نہیں ہوں'' (یوحنا ۸:۲۳)۔ مذکورہ مضمون سے بھی الوہیت مسیح پر استدلال باطل ہے ورنہ سب حواریوں کو (معاذ اللہ) خدا اور معبود ماننا پڑے گا کیونکہ اسی انجیل یوحنا میں ہے ''جس طرح میں دنیا کا نہیں وہ بھی دنیا کے نہیں'' (یوحنا ۱۷:۱۴) نیز اسی انجیل میں ہے ''تم دنیا کے ہوتے تو دنیا اپنوں کو عزیز رکھتی، لیکن چونکہ تم دنیا کے نہیں بلکہ میں نے تم کو دنیا میں سے چن لیا ہے اس واسطے دنیا تم سے عداوت رکھتی ہے'' (یوحنا ۱۵:۱۹) پس مذکورہ مضامین کا مطلب یہ ہے کہ حضرت مسیح اور ان کے حواری دنیا کے طالب نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی نعمتوں کے طالب ہیں۔

۵۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے بغیر باپ پیدا ہونے سے بھی الوہیتِ مسیح پر استدلال باطل ہے ورنہ حضرت آدمؑ تو باپ اور ماں دونوں کے بغیر پیدا ہوئے تھے۔ کتاب پیدائش میں سالم کے بادشاہ ملک صدق کا ذکر ہے جو کاہن تھا (پیدائش ۱۴:۱۸) اسی کاہن کے متعلق پولس (Paul) نے عبرانیوں کے نام خط میں لکھا ہے ''اسی کو ابرہام نے سب چیزوں کی دہ یکی (دسواں حصہ) دی یہ اول تو اپنے نام کے معنیٰ کے موافق راست بازی کا بادشاہ اور پھر سالم یعنی صلح کا بادشاہ۔ یہ بے باپ بے ماں بے نسب نامہ ہے نہ اس کی عمر کا شروع نہ زندگی کا آخر بلکہ خدا کے بیٹے کے مشابہ ٹھہرا۔ پس غور کرو یہ کیسا بزرگ تھا جس کو قوم کے بزرگ ابرہام نے لوٹ کے عمدہ مال کی دہ یکی دی۔'' (عبرانیوں ۷:۲۔۴) پس عیسائی حضرات کے استدلال کے مطابق حضرت آدمؑ اور ملک صدق کاہن خدائی کے (معاذ اللہ) کہیں زیادہ مستحق ٹھرتے ہیں۔ جب عیسائی حضرات یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ سارے ہی حیوانات اپنی ابتداء میں بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے تھے تو ان سب کو بھی (معاذ اللہ) خدا چھہرانا چاہئے کیونکہ نہ صرف بغیر باپ کہ بلکہ بغیر ماں کے بھی پیدا ہوئے ہیں۔

۶۔ حضرت عیسیٰؑ کے معجزات سے بھی ان کی الوہیت پر استدلال باطل ہے ورنہ حضرت حزقی ایلؑ کو بھی (معاذ اللہ) خدا ماننا پڑے گا کہ انہوں نے ہزاروں مردوں کو زندہ کیا تھا۔ (حزقی ایل ۳۷:۱۔۴۱) جبکہ حضرت مسیح نے اناجیل کے مضامین کے مطابق اپنی مبینہ مصلوبیت سے پہلے صرف تین مُردے زندہ کئے تھے۔ اسی طرح الیشع

(الیسع) کو بھی (معاذ اللہ) خدا ماننا ہوگا کہ ان سے بھی ایک مُردہ زندہ ہوا تھا (سلاطین دوم ۴:۳۵) بلکہ ان کا ایسا ہی ایک معجزہ تو ان کی وفات کے بعد ظاہر ہوا کہ ایک مُردہ ان کی قبر میں ڈالا گیا جو ان کی ہڈیوں سے چھوتے ہی زندہ ہوگیا۔ (سلاطین دوم ۱۳:۲۱)۔ انہوں نے ایک کوڑھی کو بھی ٹھیک کیا تھا (ایضاً ۵:۱۴) اسی طرح حضرت ایلیاہ (الیاس) کو بھی (معاذ اللہ) خدا ماننا چاہئے کیونکہ وہ ایک بیوہ کے مہمان ہوئے۔ اس کا لڑکا بیمار ہوکر فوت ہوگیا تو حضرت الیاسؑ کی دعا سے وہ دوبارہ زندہ ہوگیا۔ (سلاطین اول ۱۷:۱۷۔۲۴) حضرت موسیٰ کو بھی (معاذ اللہ) خدا ماننا چاہئے کیونکہ ان کا لاٹھی کو اژدھے میں تبدیل کرنے کا معجزہ تو مردوں کو زندہ کرنے کے معجزے سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔ لاٹھی میں تو پہلے حیوانی زندگی کبھی تھی ہی نہیں اس کا اژدھا بن جانا کہیں زیادہ تعجب خیز ہے۔ حضرت مسیح پر ایمان رکھنے والے ان تمام لوگوں کو بھی (معاذ اللہ) خدا کہنا چاہئے جن کے متعلق بقول یوحنا حضرت مسیح کا ارشاد ہے "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو مجھ پر ایمان رکھتا ہے یہ کام جو میں کرتا ہوں وہ بھی کرے گا بلکہ ان سے بڑے کام کرے گا کیونکہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں" (انجیل یوحنا ۱۴:۱۲) اگر کہا جائے کہ یہ مومنین حضرت مسیح کے نام سے یہ کام کریں گے تو حضرت مسیح بلکہ تمام انبیائے علیہم السلام اللہ کے حکم سے ہی معجزات دکھاتے تھے۔ سچے انبیائے علیہم السلام اور مومنین تو ایک طرف رہے، جھوٹے معبودوں اور جھوٹے پیغمبروں کو بھی (معاذ اللہ) خدا ماننا چاہئے کیونکہ یسوع مسیح کا ارشاد ہے "کیونکہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اٹھ کھڑے ہوں گے اور ایسے بڑے نشان اور عجیب کام دکھائیں گے کہ اگر ممکن ہو تو برگزیدوں کو بھی گمراہ کرلیں (متی ۲۴:۲۴)۔

۷۔ انجیل یوحنا میں ہے "یسوع نے ان سے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ پیشتر اس سے کہ ابرہام پیدا ہوا میں ہوں" (یوحنا ۸:۵۸) اس سے بھی الوہیتِ مسیح پر استدلال باطل ہے ورنہ کاہن ملک صدق کو بھی (معاذ اللہ) خدا ماننا ہوگا جس کے متعلق پولس نے لکھا ہے "یہ بے باپ بے ماں بے نسب نامہ ہے نہ اس کی عمر کا شروع نہ زندگی کا آخر بلکہ خدا کے بیٹے کے مشابہ ٹھہرا" (عبرانیوں ۷:۳)۔ نیز حضرت ایوبؑ کو بھی (معاذ اللہ) خدا ماننا ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے یوں کلام کیا تھا "تو کہاں تھا جب میں نے زمین کی بنیاد ڈالی؟ تو دانش مند ہے تو بتا" (ایوب ۳۸:۴) اس طرح کے کئی سوالات پوچھنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا "بے شک تو جانتا ہے کیونکہ تو اس وقت پیدا ہوا تھا اور تیرے دنوں کا شمار بڑا ہے" (ایضاً ۳۸:۲۱)۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس سے عالم ارواح یا اللہ تعالیٰ کے علم میں موجودگی مراد ہے۔ اس دنیا میں جسمانی حالت میں موجودگی مراد نہیں۔ چنانچہ کتاب یرمیاہ میں ہے "تب خداوند کا کلام مجھ پر نازل ہوا اور اس نے فرمایا اس سے پیشتر کہ میں نے تجھے بطن میں خلق کیا میں تجھے جانتا تھا اور تیری ولادت سے پہلے میں نے تجھے مخصوص کیا اور قوموں کے لئے تجھے نبی ٹھہرایا" (یرمیاہ ۱:۴۔۵) ہم مسلمانوں کے ہاں ذخیرہ احادیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام ابھی مٹی اور پانی میں گندھے ہوئے پڑے تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (معاذ اللہ) خدا اور موجود ہیں۔ نیز قرآن کریم میں ہے وَإِذْ أَخَذَ رَبُّکَ

مِنۡۢ بَنِیۡۤ اٰدَمَ مِنۡ ظُهُوۡرِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ وَاَشۡهَدَهُمۡ عَلٰۤى اَنۡفُسِهِمۡ‌ۚ اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ‌ ؕ قَالُوۡا بَلٰى‌ ۛۚ شَهِدۡنَا ۛۚ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنۡ هٰذَا غٰفِلِيۡنَ O (الاعراف:۱۷۲) ''اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے انہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کیوں نہیں؟ ہم سب گواہ بنتے ہیں (ایسا اس لئے کیا گیا) کہ تم لوگ قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم تو اس سے محض بے خبر تھے''۔ مذکورہ آیت کا یہ مطلب نہیں کہ بنی آدم سب کے سب (معاذ اللہ) خدا ہو گئے۔

۸۔ انجیل متی میں ہے ''یہودیوں کا جو بادشاہ پیدا ہوا ہے وہ کہاں ہے؟ کیونکہ پورب میں اس کا ستارہ دیکھ کر ہم اسے سجدہ کرنے آئے ہیں'' (متی ۲:۲) انجیل یوحنا میں ہے ''اس نے کہا اے خداوند میں ایمان لاتا ہوں اور اسے سجدہ کیا'' (یوحنا ۹:۳۸) اسی طرح مثلاً انجیل متی میں اس طرح کے اور بھی مضامین ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ لوگوں نے یا حضرت یسوع مسیح کے شاگردوں نے آپ کو سجدہ کیا (متی ۸:۲، ۹:۱۸)۔ یہاں سجدے سے مراد احترام اور تعظیم کا سجدہ ہے، عبادت کا نہیں ورنہ مثلاً حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کو بھی (معاذ اللہ) خدا ماننا ہوگا کیونکہ سلاطین اول میں حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ہے ''اور بت سبع نے بادشاہ کو سجدہ کیا بادشاہ نے کہا تو کیا چاہتی ہے؟'' (سلاطین اول ۱:۱۶) اور اسی کتاب میں ہے ''سو سلیمان بادشاہ نے لوگ بھیجے اور وہ اسے مذبح پر اتار لائے، اس نے آکر سلیمان کو سجدہ کیا اور سلیمان نے اس سے کہا اپنے گھر جا'' (ایضاً ۱:۵۳)۔ قرآن کریم میں ہے وَرَفَعَ اَبَوَيۡهِ عَلَى الۡعَرۡشِ وَخَرُّوۡا لَهٗ سُجَّدًا (یوسف:۱۰۰) ''اور اس (یوسف) نے اپنے ماں باپ کو تخت پر اونچا بٹھایا اور وہ سب اس کے سامنے سجدے میں گر پڑے''۔ حضرت یوسفؑ کو ان کے والدین اور بھائیوں نے سجدہ بطور تعظیم اور احترام کے کیا تھا۔ یہ نہیں کہ وہ حضرت یوسفؑ کو (معاذ اللہ) خدا اور معبود سمجھ بیٹھے تھے۔ بائبل کے اردو تراجم سے معلوم ہوا کہ انگریزی تراجم میں اس طرح کے مضامین میں لفظ ''Worship'' کا ترجمہ یہ نہیں کہ ''عبادت اور پوجا کی'' بلکہ معنیٰ یہ ہے کہ (تعظیمی) سجدہ کیا یہی وجہ ہے کہ نیو امریکن بائبل (کیتھولک پریس ۱۹۷۰ء) میں We have come to worship him کی بجائے ''We have come to pay him homage کی عبارت ہے یعنی ہم اس کی تعظیم وتکریم کے لیے آئے ہیں۔ یہ سجدۂ تعظیمی پچھلی بعض امتوں میں جائز تھا۔ شریعت محمدیہ میں ہر طرح کا سجدہ خواہ عبادت کا ہو یا تعظیم کا ہو، اللہ کے سوا دوسروں کے لیے جائز نہیں ہے۔

۹۔ انجیل یوحنا میں ہے ''اور آسمان پر کوئی نہیں چڑھا سوا اس کے جو آسمان سے اترا یعنی ابن آدم جو آسمان میں ہے'' (یوحنا ۳:۱۳)۔ اس سے بھی الوہیت مسیح پر استدلال باطل ہے ورنہ حنوک (ادریسؑ) کو بھی (معاذ اللہ) خدا ماننا ہوگا کیونکہ پرانے عہد نامے کی کتاب پیدائش میں ہے ''اور حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور وہ غائب ہو گیا کیونکہ خدا نے اسے اٹھا لیا'' (پیدائش ۵:۲۴) اسی طرح حضرت ایلیاہ (الیاسؑ) کو بھی (معاذ اللہ) خدا ماننا چاہئے کیونکہ ان کے متعلق کتاب سلاطین میں ہے ''۔۔۔۔ اور آتشی گھوڑوں نے ان دونوں کو جدا کر دیا اور ایلیاہ بگولے میں آسمان پر چلا گیا'' (سلاطین دوم ۲:۱۱) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یوحنا کا یہ بیان

جھوٹا ہے کہ آسمان پر حضرت یسوع کے سوا اور کوئی نہیں چڑھا۔ نیز فرشتوں کو بھی (معاذ اللہ) خدا ماننا چاہئے کیونکہ ان کا آسمان پر چڑھنا اور زمین پر اترنا سب ہی کے نزدیک مسلم ہے۔

۱۰۔ عہد نامہ جدید کی کتاب مکاشفہ یوحنا میں ہے کہ میں الفا اور اولسیگا ہوں، ابتدا اور انتہا ہوں۔ قدیم اردو اور انگریزی تراجم میں یہ تاثر دیا گیا تھا کہ مذکورہ قول حضرت مسیح کا ہے اس لیے اس سے بھی الوہیت مسیح پر دلیل لائی گئی۔ لیکن اردو اور انگریزی کے جدید تراجم نے اس غبارے سے ہوا نکال دی ہے ''خداوند خدا جو ہے اور جو تھا اور جو آنے والا ہے یعنی قادر مطلق فرماتا ہے کہ میں الفا اور اولسیگا ہوں'' (مکاشفہ ۱: ۸) اس سے معلوم ہوا کہ یہ قادر مطلق اللہ تعالیٰ کا قول ہے، یسوع مسیح کا نہیں۔ خدا کے آنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ حسب سابق مستقبل میں بھی جب چاہے گا اپنی قدرت کاملہ کے نمونے دکھائے گا۔

۱۱۔ انجیل یوحنا میں ہے ''ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا۔ یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا۔ سب چیزیں اس کے وسیلے سے پیدا ہوئیں اور جو کچھ پیدا ہوا ہے اس میں سے کوئی چیز بھی اس کے بغیر پیدا نہیں ہوئی۔'' (یوحنا ۱: ۱۔۳)۔ اس سے بھی الوہیت مسیح پر استدلال باطل ہے۔ اوّل تو یہ یوحنا (انجیل یوحنا کے مؤلف) کا اپنا بیان ہے اور یوحنا کبھی غلط بیانی سے بھی کام لیتا ہے، جیسا کہ قبل ازیں یوحنا کا یہ دعویٰ غلط ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت مسیح کے سوا کوئی اور آسمان پر کبھی نہیں چڑھا، حالانکہ حضرت حنوکؑ اور حضرت ایلیاؑ کا بھی آسمان پر چڑھنا بائبل سے ثابت ہے دوسرے اگر یوحنا کے اس کلام کو صحیح بھی سمجھا جائے تو اس کا مطلب یہ کیا جائے گا کہ صفتِ کلام اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس کی تمام صفات قدیم یعنی ہمیشہ سے ہمیشہ تک کے لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بغیر ظاہری اسباب کے جو کچھ بھی پیدا فرماتا ہے وہ اس کے کلام اور کلمہ ''کُن (ہو جا)'' کی تخلیق ہے چنانچہ کتاب پیدائش میں ہے ''اور خدا نے کہا روشنی ہو جا اور روشنی ہو گئی (پیدائش ۱: ۳) اور اسی کتاب میں ہے ''اور خدا نے کہا پانیوں کے درمیان فضا ہو تا کہ پانی پانی سے جدا ہو جائے۔ پس خدا نے فضا کو بنایا اور فضا کے نیچے کے پانی کو فضا کے اوپر کے پانی سے جدا کیا اور ایسا ہی ہوا'' (ایضاً ۱: ۶۔۷) نیز اسی کتاب میں ہے ''اور خدا نے کہا کہ آسمان کے نیچے کا پانی ایک جگہ ہو کہ خشکی نظر آئے اور ایسا ہی ہوا'' (ایضاً ۱: ۹) بائبل کے اس طرح کے مضامین سے واضح ہے کہ کائنات اور اس کے اندر کی موجودات اللہ تعالیٰ کے ''ہو جا'' کہنے سے پیدا ہو گئیں۔ پس یہ کہنا صحیح ہوگا کہ سب چیزیں اللہ کے کلام کے وسیلے سے پیدا ہوئیں۔ چونکہ یسوع مسیح بھی ظاہری اسباب کے بغیر بن باپ پیدا ہوئے اس لئے قرآن کریم میں بھی انہیں کلمۃ اللہ کہا گیا ہے، جس کا مطلب خود قرآن کریم نے واضح کر دیا ہے۔ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ○ (ال عمران: ۵۹) ''بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی مثال کی طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مٹی سے پیدا کیا پھر اسے کہا ہو جا تو وہ (زندہ) ہو گیا''۔

۱۲۔ انجیل یوحنا میں ہے ''اور کلام مجسم ہوا اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا اور ہم نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال'' (یوحنا ۱: ۱۴) اس سے بھی الوہیت مسیح پر استدلال باطل ہے

کیونکہ اول تو یہ یوحنا کا اپنا کلام ہے اور یوحنا کبھی غلط بیانی سے بھی کام لیتا ہے، مثلاً اس نے یہ غلط کہا کہ مسیح کے سوا اور کوئی کبھی آسمان پر نہیں چڑھا اور مثلاً اس کے خیال میں یسوع مسیح کا دعوت وتبلیغ کا سلسلہ تین سال تک جاری رہا تھا، جبکہ دیگر تینوں اناجیل متی لوقا اور مرقس کے مطابق یہ مدت ایک سال تھی۔ اور مثلاً اس کا یہ کلام تو انتہائی لغو ہے کہ یہودی سردار کاہن کائفا نے اپنی طرف سے نہیں بلکہ از راہ نبوت کہا تھا کہ یسوع اس قوم کے واسطے مرے گا۔ یہ کائفا وہی نام نہاد نبی ہے جس نے مبینہ طور پر یسوع مسیح کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا تھا اور پھر رومی گورنر پیلاطس کے ذریعہ انہیں مصلوب کرایا تھا۔ دوسرے یہ کہ اگر یوحنا کے اس بیان کو صحیح بھی سمجھ لیا جائے تو اسے مجازی معنی پر محمول کیا جائے گا کیونکہ اگر مسیح (معاذ اللہ) خدا اور معبود ہیں تو اسی یوحنا نے حضرت عیسیٰ کا قول نقل کیا ہے ''باپ مجھ سے بڑا ہے'' (یوحنا ۱۴: ۲۸) خدا کے برابر کوئی بھی نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ کوئی خدا سے بڑھ جائے۔ نیز اسی یوحنا نے لکھا ہے کہ حضرت مسیح نے مریم مگدلینی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا ''مجھے نہ چھو کیونکہ میں اب تک باپ کے پاس اوپر نہیں گیا لیکن میرے بھائیوں کے پاس جا کر ان سے کہہ میں اپنے باپ اور تمہارے باپ اور اپنے خدا اور تمہارے خدا کے پاس اوپر جاتا ہوں'' (ایضاً ۲۰: ۱۷) دیکھئے یہاں حضرت مسیح نے خود کو باقی انسانوں کی طرح قرار دیا ہے کہ سب کا ایک ہی خدا ہے انہوں نے ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ میں بھی خدا ہوں یا میں بھی معبود ہوں۔ نیز اسی یوحنا نے حضرت مسیح کا یہ قول نقل کیا ہے ''جو مجھ سے محبت نہیں رکھتا وہ میرے کلام پر عمل نہیں کرتا اور جو کلام تم سنتے ہو وہ میرا نہیں بلکہ باپ کا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے'' (ایضاً ۱۴: ۲۴) دیکھئے کس قدر کھلی بات ہے کہ حضرت مسیح نے اپنے آپ کو صرف اور صرف خدا کا رسول قرار دیا ہے۔ جن پر خدا کی طرف سے وحی کا نزول ہوا کرتا تھا۔ اور یہی یوحنا بیان کرتا ہے ''پس یسوع نے ہیکل میں تعلیم دیتے وقت پکار کر کہا کہ تم مجھے بھی جانتے ہو اور یہ بھی جانتے ہو کہ میں کہاں کا ہوں اور میں آپ سے نہیں آیا مگر جس نے مجھے بھیجا ہے وہ سچا ہے تم اس کو نہیں جانتے۔ میں اسے جانتا ہوں اس لئے کہ میں اس کی طرف سے ہوں اور اسی نے مجھے بھیجا ہے۔'' (یوحنا ۷: ۲۸۔۲۹) اس سے بھی صاف معلوم ہوا کہ حضرت مسیح نے اپنے آپ کو صرف اور صرف خدا کا رسول قرار دیا ہے۔ اور یہی یوحنا مزید لکھتا ہے کہ حضرت مسیح نے اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتے ہوئے کہا تھا ''اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ لوگ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں'' (ایضاً ۱۷: ۳) دیکھئے حضرت مسیح نے ابدی زندگی حاصل کرنے کی یہ شرط رکھی ہے کہ لوگ خدا کو خدائے واحد اور حضرت مسیح کو خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر سمجھیں آپ نے کہیں بھی اور کبھی بھی یہ نہیں فرمایا کہ ابدی زندگی کا راز یہ ہے کہ لوگ مجھے خدا اور معبود سمجھیں یا وہ تثلیث، تین میں ایک اور ایک میں تین کا سراسر خلافِ عقل عقیدہ اختیار کریں۔ اب ایک طرف تو یوحنا ہی کے بیان کردہ حضرت مسیح کے مذکورہ بالا اقوال ہیں۔ دوسری طرف یوحنا کا اپنا من پسند قول ہے ''اور کلام مجسم ہوا'' اگر یوحنا کے قول کا یہ مطلب لیا جائے کہ حضرت مسیح خدا اور معبود ہیں تو یہ حضرت مسیح کے مذکورہ بالا اقوال کے صریح خلاف ہے۔ ایسی صورت میں عقل سلیم کا تقاضا یہی ہے کہ حضرت مسیح کے اقوال کو بسر وچشم قبول کیا جائے اور ان کے خلاف یوحنا کی اپنی باتوں کو دیوار پر

دے مارا جائے۔ یا یوحنا کے اس قول کو حضرت مسیح کے اقوال کے تابع کرتے ہوئے اس کا مجازی معنیٰ لیا جائے۔ جس طرح کلمۃ اللہ کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت مسیح حقیقی معنوں میں اللہ کا کلام ہیں بلکہ وہ اللہ کے کلام کُن (ہوجا) کی پیداوار ہیں اسی طرح یوحنا کے کلام کا بھی یہی مطلب لیا جائے گا کہ حضرت مسیح اللہ کے کلمہ کُن کے اثر سے مجسم انسانی شکل میں پیدا ہو گئے۔ قرآن کریم میں حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ارشاد ہے یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۡ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۫ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ (النساء:۱۷۱) اے اہل کتاب! اپنے دین کے بارے میں غلو نہ کرو اور اللہ پر سوائے حق کے اور کچھ نہ کہو۔ مسیح عیسیٰ بن مریم تو صرف اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے (یعنی کلمہ کُن سے پیدا ہوا ہے) جسے اس نے مریم کی طرف ڈال دیا تھا اور اس کے پاس کی روح ہے اس لئے تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور یہ نہ کہو کہ خدا تین ہیں اس سے باز آجاؤ اسی میں تمہارے لئے بہتری ہے اللہ عبادت کے لائق صرف ایک ہی ہے وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ اللہ بطور کارساز کافی ہے"۔ نیز ارشاد ہے اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝۔ (آل عمران:۴۵)

"جب فرشتوں نے کہا اے مریم! اللہ تجھے اپنے ایک کلمے کی خوشخبری دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہے جو دنیا اور آخرت میں باوقار اور (میرے) مقرّبین میں سے ہے" نیز ارشاد ہے اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ (آل عمران:۵۹) "بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی مثال کی طرح ہے اس نے اسے مٹی سے پیدا کیا پھر اسے کہا ہو جا تو وہ ہو گیا"۔ دیکھئے قرآن کریم میں بھی حضرت مسیح علیہ السلام کو کلمۃ اللہ اسی معنیٰ میں کہا گیا ہے کہ ان کی ولادت معجزانہ طریقے سے بغیر باپ کے اللہ تعالیٰ کے کلمہ کُن سے ہوگئی جیسے آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف باپ بلکہ ماں کے بغیر کلمہ کُن سے پیدا فرمایا۔ تو یہاں کلمۃ اللہ سے مراد یہ نہیں کہ حضرت عیسیٰ ہی اللہ کا مجسم کلام ہیں بلکہ اللہ کے کلام سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس وضاحت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اوقات کلام میں کوئی کلمہ حذف کر دیا جاتا ہے جس کا علم ہمیں دوسرے قوی قرائن سے ہو جاتا ہے، مثلاً بائبل کی کتاب زبور میں ہے "میں نے کہا اللہ ہو اور تم سب حق تعالیٰ کے فرزند ہو" (زبور ۸۲:۶) ظاہر ہے کہ یہاں "تم الٰہ ہو" اصل میں یوں ہے "تم الٰہ کے محبوب ہو" اسی طرح "اور کلام مجسم ہوا" اصل میں یوں ہے "اور کلام سے یسوع مجسم ہوا" یعنی آپ خدا کے کلام "ہوجا" سے بغیر باپ کے پیدا ہو گئے، پس آپ خدا کی مخلوق، خدا کے بندے اور خدا کے پیغمبر ہیں نہ کہ خود خدا اور معبود ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کان خُلقہ القرآن کہ آپ کا خُلق قرآن ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن

شریف بن گئے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ قرآن میں جن عمدہ اخلاق کا ذکر کیا گیا ہے آپ ان کا مکمل عملی نمونہ تھے، اس لئے لسانی محاورات کے مطابق یہاں بھی کہا جاسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجسم قرآن تھے۔ عین ممکن ہے کہ یوحنا نے بھی انہی معنوں میں حضرت مسیح کو خدا کا مجسم کلام کہا ہو ورنہ یوحنا کا اپنا کلام جو حضرت یسوع مسیح کے کلام کے بالکل خلاف ہو اور دونوں میں مذکورہ مطابقت قابل قبول نہ ہو تو ایسا کلام سراسر مردود اور ناقابل التفات ہوگا۔

بائبل اور عقیدۂ توحید: ہم نے عقیدۂ تثلیث کی تردید میں اناجیل وغیرہ کے جو مضامین نقل کئے ہیں وہ محض الزامی طور پر اتمام حجت کے لئے ہیں ورنہ ہمارے نزدیک موجودہ اناجیل قطعاً ناقابل اعتبار ہیں اور خود اہل کتاب آج تک یہ فیصلہ نہیں کر پائے کہ ان چاروں انجیلوں کے اصل مؤلفین ہیں کون؟ (دیکھئے دی نیو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، پندرہویں اشاعت ۱۹۹۱ء، عنوان Gospels) اور ان کا غیر معتبر ہونا ان کے اندر پائے جانے والے تضادات اور اختلافات سے بھی بخوبی واضح ہے اس لئے ان کے مشکوک اور ان کے بعض مضامین کے قطعاً غلط ہونے بلکہ بعض مضامین کے مضحکہ خیز اور خلافِ عقل ہونے کا معلوم کرنے کے لئے بیرونی شہادتوں کی ضرورت ہی نہیں یہ کتابیں خود بول رہی ہیں کہ خبردار! آنکھیں بند کر کے ہمارے مضامین کو سو فیصد صحیح نہ سمجھ لینا۔ عقل سلیم کا فیصلہ یہ ہے کہ جن کتب میں متضاد مضامین پائے جاتے ہوں اور یہ تضاد اور تعارض حقیقی ہو اور اسے دور کرنا ممکن نہ ہو تو ان مضامین کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ خود انہی کتب سے نہیں کیا جاسکتا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے سورہ مائدہ میں تورات اور انجیل کے آسمانی کتب ہونے کی وجہ سے ان کی مدح و تعریف اور توثیق فرمائی تو ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی فرمادی کہ اہل کتاب نے ان آسمانی کتب میں اس وسیع پیمانے پر تحریف کر رکھی ہے کہ یہ لوگ اس نصیحت کا بڑا حصہ فراموش کر بیٹھے ہیں جو ان کتابوں کے ذریعے انہیں کی گئی تھی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ (المائدہ:۴۸) ''اور ہم نے تیری طرف حق کے ساتھ یہ کتاب اتاری ہے جو اپنے سے پہلے کی کتابوں کی تصدیق کرنے والی اور ان پر نگہبان ہے اس لئے تو ان کے درمیان اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کے مطابق فیصلہ کر اور جو کچھ تیرے پاس حق آپہنچا ہے اس سے ہٹ کر ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کر''۔ اس سے معلوم ہوا کہ تورات وانجیل کے اختلافی مضامین میں قرآن کریم کا فیصلہ ہی ناطق ہوگا۔ جسے یہ صحیح قرار دے وہی حق ہے باقی سب باطل ہے، مثلاً جہاں موجودہ بائبل میں حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی توہین پر مبنی نہایت غلیظ اور فحش مضامین ہیں وہیں ایسے مضامین بھی ہیں جو قرآن کریم کے عین مطابق اور عقل سلیم کے عین موافق ہیں اور اس لائق ہیں کہ انہیں آبِ زر سے لکھا جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر لاتعداد مضامین بائبل کے دونوں حصوں پرانے اور نئے عہد نامے میں موجود ہیں۔ انجیل یوحنا میں توحید باری تعالیٰ اور رسالتِ مسیح پر بعض مضامین کا حوالہ اوپر دیا جاچکا ہے۔ ایسے بعض دیگر مضامین کی بائبل کی کتب میں

مزید نشاندہی کی جاتی ہے:

۱۔ انجیل مرقس میں ہے ''اور فقیہوں میں سے ایک نے ان کو بحث کرتے ہوئے سن کر جان لیا کہ اس نے ان کو خوب جواب دیا ہے وہ پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ سب حکموں میں اول کونسا ہے؟ یسوع نے جواب دیا، اوّل یہ ہے اے اسرائیل! سُن خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔ اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ'' (مرقس ۱۲: ۲۸۔۳۰)

۲۔ ''میں ہی خداوند ہوں اور کوئی نہیں میرے سوا کوئی خدا نہیں۔۔۔ تاکہ مشرق سے مغرب تک لوگ جان لیں کہ میرے سوا کوئی نہیں میں ہی خداوند ہوں میرے سوا کوئی دوسرا نہیں۔'' (یسعیاہ ۴۵: ۵۔۶) چنانچہ اسی کے مطابق قرآن کریم میں بھی ہے رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ○ (المزمل: ۹) ''وہ مشرق اور مغرب کا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں سو تو اسی کو اپنا کارساز بنا''۔

۳۔ ''پہلی باتوں کو جو قدیم سے ہیں یاد کرو میں خدا ہوں اور کوئی دوسرا نہیں، میں خدا ہوں اور کوئی مجھ سا نہیں'' (یسعیاہ ۴۶: ۹)۔

۴۔ لیکن اس دن یا اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا مگر باپ'' (مرقس ۱۳: ۳۲) اگر مسیح خدا ہوتے تو قیامت کے صحیح وقت اور دن سے ہرگز بے خبر نہ ہوتے۔ یہاں یہ عذر لغو ہے کہ حضرت مسیح نے اپنی بے خبری جسم کے اعتبار سے بتائی ہے ایک تو علم جسم کو نہیں ہوتا دوسرے آپ نے یہاں اپنے آپ کو ابن آدم نہیں بلکہ بیٹا کہا ہے۔ اگر یہ تاویل کی جائے کہ میں اس لحاظ سے بے خبر ہوں کہ مجھے معلوم تو ہے لیکن میں تمہیں ابھی نہیں بتلا سکتا تو یہ تاویل اس لئے لغو ہے کہ اس صورت میں تو باپ کو بھی بے خبر سمجھنا چاہئے کیونکہ اس نے بھی تو کسی کو نہیں بتایا کہ قیامت ٹھیک کس وقت برپا ہوگی۔

۵۔ ''اور جب وہ باہر کو نکل کر راہ میں جا رہا تھا تو ایک شخص دوڑتا ہوا اس کے پاس آیا اور اس کے آگے گھٹنے ٹیک کر اس سے پوچھنے لگا اے نیک استاد! میں کیا کروں کہ ہمیشہ کی زندگی کا وارث بنوں یسوع نے اس سے کہا تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا'' (مرقس ۱۰: ۱۷۔۱۸) اور انجیل لوقا میں ہے ''پھر کسی سردار نے اس سے یہ سوال کیا کہ اے نیک استاد! میں کیا کروں تا کہ ہمیشہ کی زندگی کا وارث بنوں؟ یسوع نے اس سے کہا کہ تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے؟ کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا'' (لوقا ۱۸: ۱۸۔۱۹) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مسیح کا اپنے آپ کو معبود کہلانا تو ایک طرف رہا وہ تو اس پر بھی راضی نہ تھے کہ انہیں نیک کہا جائے یوں آپ نے واضح فرما دیا کہ ہر عیب اور کمزوری سے پاک اور ہر خوبی و کمال کا مالک صرف اور صرف خدا ہے۔

۶۔ ''تب زبدی کے بیٹوں یعقوب اور یوحنا نے اس کے پاس آ کر اس سے کہا اے استاد! ہم چاہتے ہیں کہ جس بات کی ہم تجھ سے درخواست کریں تو ہمارے لئے کرے۔ اس نے ان سے کہا تم کیا چاہتے ہو کہ میں تمہارے لئے کروں؟۔ انہوں نے اس سے کہا تو ہمارے لئے یہ کر کہ تیرے جلال میں ہم میں سے ایک تیری دہنی اور ایک تیری بائیں طرف بیٹھے۔'' (مرقس ۱۰: ۳۵۔۳۷)۔ یعقوب اور یوحنا دونوں حضرت مسیح کے حواری

تھے ان کی مذکورہ درخواست کے جواب میں آپ نے فرمایا ''لیکن اپنی داہنی یا بائیں طرف کسی کو بٹھا دینا میرا کام نہیں بلکہ جس کے لئے تیار کیا گیا ہے انہی کے لئے ہے'' (ایضاً ۱۰: ۴۰)۔ دیکھئے حضرت مسیح یہاں نہایت صراحت سے اپنی بے بسی ظاہر فرما رہے ہیں یعنی آپ یہ ظاہر فرما رہے ہیں کہ جس طرح علام الغیوب بھی اللہ تعالیٰ ہے اسی طرح قادر مطلق اور مختار کل بھی وہی ہے۔ اگر آپ غیب جاننے والے ہوتے تو یعقوب اور یوحنا کی خواہش کو پہلے ہی سمجھ لیتے ان سے پوچھنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

۷۔ انجیل متی میں ہے کہ یسوع مسیح اپنی مبینہ گرفتاری سے پہلے نہایت پریشان تھے اور منہ کے بل گر کر اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہے تھے ''اے میرے باپ! اگر ہو سکے تو یہ پیالہ (یعنی موت کا پیالہ) مجھ سے ٹل جائے تو بھی نہ جیسا میں چاہتا ہوں بلکہ جیسا تو چاہتا ہے ویسا ہی ہو'' (متی ۲۶: ۳۹) پھر اسی انجیل میں ہے ''اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلّا کر کہا ایلی ایلی لما شبقتنی ؟ اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟'' (ایضاً ۲۷: ۴۶) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مسیح خدا کا بندہ ہونے کی حیثیت سے خدا سے دعائیں مانگ رہے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ ان دعاؤں میں اپنی بے بسی ظاہر فرما کر یہ بتانا چاہتے تھے کہ مرضی یسوع کی نہیں بلکہ اللہ ہی کی چلتی ہے اور اسی کی رضا پر سب کو راضی ہونا چاہئے۔ خدا اور معبود غمگین نہیں ہوا کرتا۔ کسی دوسرے خدا سے دعائیں نہیں مانگتا۔ نیز اگر حضرت یسوع واقعی اپنے خون سے نوع انسانی کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے آئے تھے تو یہ مقدس فریضہ وہ بخوشی پورا کرتے نہ یہ کہ وہ گرفتاری سے بچنے کی کوشش کرتے، نہ ہی پریشان، غمگین اور اداس ہوتے اور موت کا پیالہ ٹلنے کی دعائیں مانگتے اور جسے موت آئے وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ اناجیل کا یہ مضمون ہم الزاماً لکھ رہے ہیں ورنہ ہمارے نزدیک مصلوبیت مسیح کی کہانی جھوٹی ہے۔

۸۔ ''دوسرے دن جب وہ بیت عنّیاہ سے نکلے تو اسے بھوک لگی۔ اور وہ دور سے انجیر کا ایک درخت جس میں پتے تھے دیکھ کر گیا کہ شاید اس میں کچھ پائے مگر جب اس کے پاس پہنچا تو پتوں کے سوا کچھ نہ پایا کیونکہ انجیر کا موسم نہ تھا۔ اس نے اس سے کہا آئندہ کوئی تجھ سے کبھی پھل نہ کھائے اور اس کے شاگردوں نے سنا''۔ (انجیل مرقس ۱۱: ۱۲۔۱۴) اس سے معلوم ہوا کہ یسوع مسیح کو بھوک بھی لگتی تھی۔ انہیں یہ بھی علم نہیں تھا کہ انجیر کو پھل کس موسم میں لگتا ہے۔ کیا خدا کی یہی صفات ہوتی ہیں؟ چنانچہ قرآن کریم میں ہے مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ○ (المائدہ: ۷۵) ''مسیح بن مریم ایک پیغمبر کے سوا کچھ نہیں اس سے پہلے بھی پیغمبر گزر چکے ہیں اور اس کی ماں راست باز خاتون ہے وہ دونوں (ماں اور بیٹا) کھانا کھایا کرتے تھے تو دیکھ ہم کس طرح ان کے لئے آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں پھر تو دیکھ کہ کس طرح وہ (ان دلائل سے) پھرے جاتے ہیں''۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ خوراک کی محتاجی دراصل دوسروں پر انحصار اور اپنی بے بسی کے ان گنت دروازے کھولتی ہے۔ جو خوراک گندم، جو، مکئی اور چاول وغیرہ ہم کھاتے ہیں یہ ہمیں حاصل نہیں ہو سکتی

تھی اگر سورج کی دھوپ، زمین کے اندر نمکیات وغیرہ کا مناسب توازن، ضروری مقدار میں پانی اور ہوا پودوں کو حاصل نہ ہوتی یہ سارے قدرتی اسباب اللہ ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ یہ زرعی اجناس ہمیں حاصل نہ ہوتیں اگر کسان نے ان کے لئے زمین میں ہل نہ چلایا ہوتا، بیج نہ بویا ہوتا، اس کی دیکھ بھال نہ کی ہوتی، اسے اس نے بروقت پانی نہ دیا ہوتا، مناسب مقدار میں کھاد وغیرہ نہ ڈالی ہوتی اور ضرر رساں کیڑے مکوڑوں سے اس کی حفاظت کا بندوبست نہ کیا ہوتا۔ ہل کے لئے لکڑی کہاں سے آئی؟ لوہا کہاں سے ملا؟ یہ لکڑی ایک وقت بیج کی صورت میں تھی جسے زمین کے اندر ایک مدت تک رہنا پڑا پھر پودا اگا، سالہا سال تک نشوونما پاتا رہا پھر کہیں جا کر اس کی لکڑی پختہ ہوئی تو کسی لکڑہارے نے اسے کاٹا۔ کاٹنے کے اوزار بھی لوہے سے بنے۔ لوہے کو زمین سے لوگوں نے نکالا پھر کسی کارخانے میں متعلقہ ہنرمندوں اور مزدوروں نے اسے اوزار کی شکل میں ڈھالا۔ ہل یا ٹریکٹر کے لوہے پر بھی ایسے ہی محنت ہوئی۔ اس کے بعد اناج کی کٹائی، گہائی، صفائی اور پسائی میں جن لوگوں نے کام کیا اور جن اوزاروں سے کیا اس میں بھی لاتعداد لوگوں کی محنت ومشقت کا عمل دخل ہے، اس آٹے کو پکانے میں میں بھی ہم عموماً دوسروں پر اکتفا کرتے ہیں۔ اس کے بعد بھی روٹی کیک اور بسکٹ وغیرہ کا ایک لقمہ یا ٹکڑا بھی ہمارے منہ میں نہیں جا سکتا اگر ہمارے ہاتھوں میں حرکت کی سکت نہ ہو۔ ہضم نہیں ہو سکتا اگر معدہ اور متعلقہ اعضاء کا فعل درست نہ ہو۔ الغرض ایک لقمے کے ہمارے منہ تک جانے میں ہم لاتعداد اسباب پر انحصار کرنے کے محتاج ہیں۔ پس کھانا کھانے والا ہرگز خدا نہیں ہو سکتا۔ خدا تو وہ ہے کہ سب اس کے محتاج ہوں لیکن وہ سب سے بے نیاز ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھانا تناول فرمانے کے بعد کبھی یوں بھی اللہ کا شکر ادا کرتے تھے **الحمد للّٰہ حمدا کثیرا طیّبا مبارکا فیہ غیر مکفّی ولا مُودّع ولا مُستغنًی عنہ ربّنا (الحِصن الحُصین)** ''سب تعریف اللہ کے لئے ہے بہت پاکیزہ بہت زیادہ اور برکت والی تعریف (اے اللہ)! ہمیں یہ کھانا ہمیشہ کے لئے کفایت نہیں کرے گا (ہمیں پھر بھی اس کی ضرورت پیش آئے گی) اور نہ ہی ہم نے دسترخوان کو (ہمیشہ کے لئے) خیرباد کہا ہے اور نہ ہی اے ہمارے رب! ہم اس (کھانے) سے مُستغنی ہو سکتے ہیں (اس کی ضرورت جب تک ہم زندہ ہیں پیش آتی رہے گی)''۔ اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے الوہیتِ مسیح کے غلط عقیدے کی تردید مختصر لیکن نہایت جامع انداز میں فرمادی کہ حضرت مسیح اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریم دونوں کھانا کھایا کرتے تھے اور اس کی تائید موجودہ اناجیل سے بھی ہو رہی ہے پھر اللہ نے ہماری توجہ اس طرف دلائی ہے کہ یہ لوگ اتنی آسان اور سادہ دلیل کو بھی سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

۹۔ ''اور خداوند اس کے اوپر کھڑا کہہ رہا ہے کہ میں خداوند تیرے باپ ابرہام کا خدا اور اضحاق کا خدا ہوں'' (کتاب پیدائش ۲۸:۱۳)۔

۱۰۔ ''معبودوں میں اے خداوند تیری مانند کون ہے؟ کون ہے جو تیری مانند اپنے تقدس کے باعث جلالی اور تیری مدح کے باعث رعب والا اور صاحب کرامات ہے؟'' (خروج ۱۵:۱۱)۔

۱۱۔ ''تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا یعنی چاندی اور سونے کے دیوتا اپنے لئے نہ گھڑ لینا'' (ایضاً ۲۰:۲۳)

۱۲۔ ''سُن اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے'' (استثناء ۶:۴)

۱۳۔ ''اور سلیمان نے اسرائیل کی ساری جماعت کے روبرو خداوند کے مذبح کے آگے کھڑے ہو کر اپنے ہاتھ آسمان کی طرف پھیلائے۔ اور کہا اے خداوند! اسرائیل کے خدا تیری مانند نہ تو اوپر آسمان اور نہ نیچے زمین پر کوئی خدا ہے۔'' (سلاطین اول ۸:۲۲۔۲۳)

۱۴۔ ''سو تو اے خداوند خدا بزرگ ہے، کیونکہ جیسا ہم نے اپنے کانوں سے سنا ہے اس کے مطابق کوئی تیری مانند نہیں اور تیرے سوا کوئی خدا نہیں'' (سموئیل دوم ۷:۲۲)

۱۵۔ ''کیونکہ تو بزرگ ہے اور عجیب وغریب کام کرتا ہے تو ہی واحد خدا ہے'' (زبور ۸۶:۱۰)

۱۶۔ ''خداوند اسرائیل کا بادشاہ اور اس کا فدیہ دینے والا ربّ الافواج یوں فرماتا ہے کہ میں ہی اول اور میں ہی آخر ہوں اور میرے سوا کوئی خدا نہیں'' (یسعیاہ ۴۴:۶)

۱۷۔ ''میں ہی خداوند ہوں اور کوئی نہیں میرے سوا کوئی خدا نہیں میں نے تیری کمر باندھی اگرچہ تو نے مجھے نہ پہچانا۔ تاکہ مشرق سے مغرب تک لوگوں جان لیں کہ میرے سوا کوئی نہیں میں ہی خداوند ہوں میرے سوا کوئی دوسرا نہیں'' (ایضاً ۴۵:۵۔۶)

۱۸۔ ''لیکن میں ملک مصر ہی سے خداوند تیرا خدا ہوں اور میرے سوا تو کسی معبود کو نہیں جانتا تھا کیونکہ میرے سوا اور کوئی نجات دینے والا نہیں ہے'' (ہوسیع ۱۳:۴)

۱۹۔ ''اور خداوند ساری دنیا کا بادشاہ ہوگا اس روز ایک ہی خداوند ہوگا اور اس کا نام واحد ہوگا'' (زکریاہ ۱۴:۹)

۲۰۔ ''کیا ہم سب کا ایک ہی باپ نہیں؟ کیا ایک ہی خدا نے ہم سب کو پیدا نہیں کیا؟'' (ملاکی ۲:۱)

۲۱۔ ''اور غیر معبودوں کی پیروی نہ کرو کہ ان کی عبادت و پرستش کرو اور اپنے ہاتھوں کے کاموں سے مجھے غضب ناک نہ کرو اور میں تم کو کچھ ضرر نہ پہنچاؤں گا'' (یرمیاہ ۲۵:۶)

۲۲۔ ''اور زمین پر کسی کو اپنا باپ نہ کہو کیونکہ تمہارا باپ ایک ہی ہے جو آسمانی ہے۔ اور نہ تم ہادی کہلاؤ کیونکہ تمہارا ہادی ایک ہی ہے یعنی مسیح'' (متی ۲۳:۹۔۱۰) اس سے معلوم ہوا کہ خداوند ایک ہی ہے اور حضرت مسیح تو ہادی اور پیغمبر ہیں۔

۲۳۔ ''اور جب وہ یروشلم میں داخل ہوا تو سارے شہر میں ہل چل پڑ گئی اور لوگ کہنے لگے یہ کون ہے؟ بھیڑ کے لوگوں نے کہا یہ گلیل کے ناصرہ کا نبی یسوع ہے'' (متی ۲۱:۱۰۔۱۱) اس سے معلوم ہوا کہ عوام الناس حضرت مسیح کو صرف اللہ کا نبی سمجھتے تھے۔

۲۴۔ ''اور سب پر دہشت چھا گئی اور وہ خدا کی تمجید کر کے کہنے لگے کہ ایک بڑا نبی ہم میں برپا ہوا ہے اور خدا نے اپنی امت پر توجہ کی ہے'' (لوقا ۷:۱۶۔۱۷)

۲۵۔ ''اس نے ان سے کہا کیا ہوا؟ انہوں نے اس سے کہا یسوع مسیح کا ماجرا جو خداوند اور ساری امت کے نزدیک کام اور کلام میں قدرت والا نبی تھا'' (ایضاً ۲۴:۱۹)

۲۶۔ ''اس نے رات کو یسوع کے پاس آ کر اس سے کہا اے ربی ہم جانتے ہیں کہ تو خدا کی طرف سے استاد ہو کر آیا ہے کیونکہ جو معجزے تو دکھاتا ہے کوئی شخص نہیں دکھا سکتا جب تک خدا اس کے ساتھ نہ ہو'' (یوحنا ۳:۲)

۲۷۔ ''پس جو معجزہ اس نے دکھایا وہ لوگ اسے دیکھ کر کہنے لگے جو نبی دنیا میں آنے والا تھا، فی الحقیقت یہی ہے'' (یوحنا ۶:۱۴) دیکھئے اناجیل کے مذکورہ مضامین سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ لوگ حضرت مسیح کو اللہ کا رسول اور نبی سمجھتے تھے اور جب انہوں نے اس حقیقت کا اپنے منہ سے اعتراف کیا تو ایک مرتبہ بھی حضرت مسیح نے انہیں نہیں ڈانٹا اور یہ نہیں بتایا کہ میں تو خدا کا اکلوتا بیٹا ہونے کی حیثیت سے خود بھی تمہارا خدا اور معبود ہوں۔ یہاں یہ عذر انتہائی لغو ہے کہ عروج آسمانی سے پہلے اگر حضرت مسیح تثلیث کی تعلیم دیتے تو لوگ اس عقیدے کی پیچیدگی میں الجھ جاتے اور یسوع کے جسدِ مبارک کو ہی خدا سمجھ لیتے۔ یہ پیچیدگی تو کبھی دور ہوئی ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ بھلا خلافِ عقل امور کو معقول کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ اگر یہ عقیدہ خلافِ عقل نہیں بلکہ عیسائی حضرات کے نزدیک بالائے عقل ہے تو حضرت مسیح لوگوں سے یہ فرما دیتے کہ یہ عقائد تمہاری عقل سے بالاتر ہیں لہٰذا ان میں غور و فکر اور کھود کرید نہ کرو اس میں آسمان پر چڑھنے کے انتظار کی ضرورت ہی کیا تھی؟ یہاں یہ عذر بھی مضحکہ خیز ہے کہ حضرت مسیح یہودیوں کے خوف سے ان عقائد کا برملا اظہار نہیں کرتے تھے جب وہ یہودیوں کے لئے ''افعی کے بچے، ریاکار، بیوقوف'' جیسے کلمات بے دریغ استعمال فرماتے تھے تو انہیں عقیدۂ تثلیث کے اظہار میں بھلا کیوں اتنا خوف لاحق تھا؟ جب انہیں بقول عیسائی حضرات کے یہ یقین تھا کہ نوعِ انسانی کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لئے انہیں بہر حال مصلوب ہونا ہی پڑے گا تو تثلیث اور کفارے کے عقائد کو ان کی تمام جزئیات اور تفصیلات کے ساتھ ظاہر کرنے میں کونسا امر مانع تھا؟ یہ سب عقائد پولس کے خود تراشیدہ ہیں اور ان کا حضرت مسیح کی تعلیم سے دور دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔

۶۸: قرآن کریم۔ الانعام: ۸۵۔۸۷

۶۹: ص: ۲۶

۷۰: آل عمران۔ ۴۲

۷۱: ایضاً۔ ۴۵

۷۲: مریم: ۳۲

۷۳: انجیل متی ۱۲: ۴۷۔۴۸

۷۴: انجیل یوحنا ۲: ۳۔۴

۷۵: قرآن کریم۔ النساء: ۱۵۶۔۱۵۸

۷۶: البقرۃ: ۱۰۲

۷۷: الانعام: ۱۲۴

۷۸: تفسیر ابن کثیرؒ

۷۹: بیہقی ۷/۱۱۹۰ بحوالہ تہذیب سیرۃ ابن کثیر حاشیہ ۲ ص ۶۹

۸۰: السیرۃ النبویۃ فی ضوء القرآن والسنۃ ۱/۶۷، سیرۃ النبی ﷺ شبلی نعمانی ۱/۱۱۳

۸۱: البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر ۲/۲۰۹۔۲۱۴۔ السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ۱/۱۲۳۔۱۲۷، ۱۳۰۔۱۴۰، السیرۃ النبویۃ فی ضوء القرآن والسنۃ ۱/۱۴۵۔۱۵۴۔ عمدۃ القاری شرح بخاری/ بدرالدین عینی: ج ۷، ص ۴۸۶

۸۲: کتاب پیدائش ۲۵: ۱۳۔۱۶

83. Good News Bible: The New Testament: Chart page 3 55

۸۴: الرحیق المختوم مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوریؒ المکتبۃ السلفیہ لاہور صفحات ۴۱، ۵۴۔۵۶

۸۵: مقالہ شب ظلمت پروفیسر علی محسن صدیقی مجلہ السیرۃ عالمی شمارہ نمبر ۹ صفحات ۴۲۔۴۶،
(یوم البعاث): السیرۃ النبویۃ فی ضواء القرآن والسنۃ ۱/۴۳۲، السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ دکتور اکرم ضیاء العمری ۱/۲۳۱، (حرب الفجار): تہذیب سیرۃ ابن کثیر ص ۸۹

۸۶: مقالہ شب ظلمت مجلہ السیرۃ عالمی شمارہ نمبر ۹ صفحہ ۴۶

۸۷: تہذیب سیرۃ ابن کثیر صفحات ۲۵۔۲۸، السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ۱/۴۴۔۵۸ (ملخصاً)، سیرۃ رسول اکرم ﷺ مفتی محمد شفیع ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور طبع اول ۱۴۰۴ ہجری صفحات ۲۹۔۳۵ (ملخصاً)

۸۸/۱: السیرۃ النبویۃ فی ضوء القرآن والسنۃ ۱/۸۶۔۹۳۔ سیرۃ النبی شبلی نعمانی ۱/۱۱۷۔ مقالہ شب ظلمت صفحات ۷۰۔۷۵

۸۸/۲: میزان الاعتدال للذہبی بحوالہ سیرۃ النبی شبلی نعمانیؒ حاشیہ صفحہ ۱۹۵ جلد اول

۸۹: جزو خطبہ حجۃ الوداع ترمذی نسائی، ابن ماجہ۔ عن عمرو بن خارجہ بحوالہ البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ۵/۱۶۴

۹۰: سورۃ النمل: ۶۵

۹۱: سورۃ لقمان: ۳۴

۹۲: البدایۃ والنہایۃ ۲/۲۶۷، تہذیب سیرۃ ابن کثیر: ص ۹۱۔ سیرت ابن ہشام ۱/۱۹۸ حاشیہ

۹۳: السیرۃ النبویۃ فی ضوء القرآن والسنۃ ۱/۹۸۔۱۰۲۔ السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ: مکۃ (قبل البعثۃ) ۱/۷۷۔۸۱۔ مقالہ شب ظلمت پروفیسر علی محسن صدیقی صفحات ۵۰۔۵۵

السید کمپوزر
عربی، اردو، انگلش کمپوزنگ اینڈ ڈیزائننگ
مناسب قیمت پر معیاری مشینی کتابت کے لئے
سید قادر معین (بابر)
رابطہ کیجئے
R10, 5-C3 North Karachi, Karachi. Cell: 0300-2093965